وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

!اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے

جلد 9	شمارہ 09	ذیقعدہ 1436ھ	ستمبر 2015ء

ISSN 2305-6231

عید الاضحی مبارک ہو

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ الغاشیہ	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	انجینئر نوید احمد علیہ الرحمہ	انجینئر مختار فاروقی	12
5	کیا عصری تعلیم تصورِ خدا سے خالی ہے؟	عبدالرشید ارشد	18
6	حضرت یوسف علیہ السلام، بادشاہ اور فرعون	ابن بلوچ	27
7	قرآن کی تاریخ کا خلاصہ	ڈاکٹر حمید اللہ	34
8	بے حس قوم کا ماتم	محمد منظور انور	36
9	حقیقت ایمان (1)	انجینئر مختار فاروقی	40
	تقریب تقسیم اسناد 25 روزہ کورس		55
	تبصرہ و تعارف کتب		58

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الغاشیۃ (88) ، آیات 26، رکوع 1

سورۃ الغاشیہ میں پہلے ایک چونکا دینے والا سوال کیا گیا ہے کہ تمھیں اس دن کی بھی خبر ہے جب ایک چھا جانے والی آفت نازل ہوگی۔ پھر فوراً تفصیل ہے کہ اس دن لوگ دو طرح کے ہو جائیں گے: ایک وہ جو جہنم میں جائیں گے جہاں وہ طرح طرح کے سخت عذاب جھیلیں گے، دوسرے وہ جو جنتِ عالیہ میں جائیں گے جہاں انھیں ایسی ایسی نعمتیں میسر ہوں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تخلیق و حکمت کے چند مظاہر کا ذکر کر کے توحید اور وقوعِ قیامت پر استدلال ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ اگر لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں، آپ کا کام تو صرف نصیحت کرنا ہے، ان کا حساب ہم خود لے لیں گے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ O

بھلا آپ کو (وہ) ڈھانپ لینے والی (یعنی قیامت) کا حال معلوم ہوا ہے؟

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ O

اس روز بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ O تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً O

سخت محنت کر کے، تھکے ماندے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے

تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ O

ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی ان کو پلایا جائے گا

لَیۡسَ لَھُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ O

خاردار جھاڑ کے سوا اُن کے لیے کوئی کھانا نہیں (ہوگا)

لَّا یُسۡمِنُ وَلَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ O

جو نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ O

(اور) بہت سے چہرے اس روز شاداں ہوں گے،

لِّسَعۡیِھَا رَاضِیَۃٌ O

اپنے اعمال (کی جزا) سے خوش دل

فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ O

بہشتِ بریں میں

لَّا تَسۡمَعُ فِیۡھَا لَاغِیَۃً O

وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے

فِیۡھَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ O

اس میں چشمے بہ رہے ہوں گے

فِیۡھَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ O

وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے

وَّاَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ O

اور پینے کے برتن (water-set) (قرینے سے) رکھے ہوئے

وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ O وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ O

اور گاؤ تکیے قطار اندر قطار لگے ہوئے اور نفیس مسندیں بچھی ہوئیں

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

1

اِعْزِلِ الْاَذٰی، عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ

(مسلم عن ابی برزہ رضی اللہ عنہ)

''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادو''

2

أَعْطُوا الْأَجِیْرَ أَجْرَہُ، قَبْلَ أَنْ یَجِفَّ عَرَقُہُ

(ابن ماجہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

''تم مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو''

الجَامِعُ الصَّغِیْر فی احادیث البشیروالنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللّٰہ

جنوبی ایشیا میں
قیامِ نظامِ خلافت کی مساعی
کا زرّیں اور بابرکت سلسلہ

انجینئر مختار فاروقی

کل روئے ارضی پر بسنے والے انسانوں کے اجتماعی ضمیر میں آج سے چودہ صدیاں قبل ایک مختصر دور ـــــ دورِ خلافت راشدہ 11ھ تا 40ھ (632ء تا 660ء) ایک سہانے خواب اور حسین سپنے سے کم نہیں۔ یہ دور مسلمانوں کے لیے تو زرّیں عہد اور سنہرا باب ہے ہی۔ انسانیت کی فلاح و بہبود، احترامِ انسانیت، حقیقی آزادی، اخوّت اور مساوات کا ایک ایسا حسین اور دلرُبا پیکر محسوس ہے کہ جس کی تاریخ انسانی میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ مشہور یورپی مصنف ایچ جی ویلز نے حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے مطابق تشکیل پانے والے اندازِ حکمرانی اور اخوّت و مساوات وحریّت فکر کے اس نادر دور کو تاریخ انسانی کی واحد اور منفرد مثال قرار دیتے ہوئے اپنی تالیف (A CONCISE HISTORY OF THE WORLD) میں لکھا ہے:

> ''انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو اگرچہ دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے۔ چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی اُن کا بڑا ذخیرہ موجود ہے لیکن نوعِ انسانی کی تاریخ میں پہلی بار اِن اُصولوں پر مبنی نظام عملاً قائم کرکے دکھادیا محمد نے (صلی اللہ علیہ وسلم)''۔ (نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت، ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

اسلامی تعلیمات کے مطابق حکمرانی اور نظامِ حکومت جس کا نام نظامِ خلافت ہے 1924ء تک کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے اور عظیم سلطنت عثمانی (THE GREAT OTTOMAN

(EMPIRE) (جو اٹھارھویں صدی تک دنیا کی عظیم ترین سلطنت تھی اور عدل وانصاف وحریت و مساوات کا نمونہ تھی) نصف یورپ، پورا افریقہ، روسی ترکستان، وسط ایشیا اور جنوبی ایشیا پر محیط تھی۔ اس لیے کہ مغل حکمران بھی عثمانی خلافت کے ماتحت تھے اور ایرانی حکمران بھی عثمانیوں کے مدمقابل نہ تھے۔ مغل حکمران بھی اپنی تخت نشینی کا جواز دربارِ خلافت سے حاصل کرتے تھے۔ لہٰذا مسلمان دنیا کی وسیع ترین سلطنت کے ساتھ انسانیت کو آج کی مغربی دنیا سے کہیں بہتر امن، سکون، انصاف اور اقلیتوں کو تحفظ فراہم کر رہے تھے۔

'ہر کمالے را زوال' کے مصداق مسلمان کمزور ہوئے تو یورپ نے آگے بڑھ کر دنیا پر ظالمانہ قبضہ کر لیا اور اپنے اندازِ حکمرانی کے ساتھ مسلمانوں سے سیکھے ہوئے علوم وفنون اور یونانی مشرکانہ وحیوانی تہذیب وتمدّن کی بساط بچھا دی۔ اس حالیہ مغربی تہذیب نے انسانیت کو کیا دیا ہے اور کیا چھین لیا ہے؟ اس کا صحیح اور غیر جانبدارانہ میزانیہ تو اس تہذیب کے زوال کے بعد ہی سامنے آئے گا۔

1924ء میں سقوطِ خلافت

سلطنت عثمانیہ 1800ء سے 1912ء تک زوال کا شکار رہی اور بالآخر پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کا ساتھ دینے کی پاداش میں شکست کے بعد مغربی اقوام نے پہلے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیے اور پھر اپنے خاص آدمی 'مصطفٰے اتاترک' کے ذریعے 3 مارچ 1924ء (28 رجب 1342ھ) کو خلافت کو منسوخ کر دیا گیا اور اسلامی قانون منسوخ کر کے رومن لاء اور جمہوریت کا طوقِ غلامی علاقے کے لوگوں کی گردنوں میں ڈال دیا گیا۔ آلِ سعود نے بھی اپنی حکومت میں خلافت کے تصور کو نہ سمویا۔ وجہ کیا تھی؟ یہ ایک راز ہے جسے مستقبل کا مؤرّخ ہی ظاہر کر سکے گا۔

سقوطِ خلافت اور برطانوی ہند کے مسلمان

ترکی میں سقوطِ خلافت کے نتیجے میں مشرق وسطی کے طول وعرض میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی صرف جنوبی ایشیا میں برطانوی ہند کے ایک صدی سے غلام مسلمانوں نے اپنے آقاؤں کے اس فیصلے پر ایسی شاندار تحریک برپا کر دی کہ پورے برطانوی ہند میں صہیونی استعمار ڈول گیا اور

ہندو لیڈر گاندھی کو بھی اس تحریک میں شامل ہونا پڑا۔ (گاندھی انگریز کے ایماء پر اس تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیے شامل ہوا تھا یا برطانوی استعمار کے خلاف اس تحریک کی کامیابی کی صورت میں ہندو کی محرومی اور دوبارہ مسلمانوں کے ماتحت ہو جانے کے خوف سے۔ اس کا فیصلہ تا حال مشکل ہے شاید مستقبل کا مؤرخ اس راز سے پردہ اٹھا سکے۔ ہمارے نزدیک دونوں عوامل کارفرما تھے)۔

جوہر برادران کی قربانی

اس تحریک کے دوران دیگر مسلم زعماء کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ دو بھائی، محمد علی جوہر اور شوکت علی جوہر سب سے نمایاں ہوئے اور ان کی والدہ کے حوالے سے یہ اشعار زبان زدعام تھے اور تمام چھوٹے بڑے شہروں سمیت قصبوں تک میں یہ تحریک پھیل گئی اور جیلوں کی سزائیں بھی اس کے زور کو نہ توڑ سکیں۔

؎ بولیں امّاں محمّد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو!

اس تحریک سے انگریز کی غلامی سے آزادی کے جذبہ کو بے پناہ تقویت ملی۔

خلافت کی اصطلاح کا استعمال

عصر حاضر (گزشتہ صدی) میں مغربی استعمار کے اقتدار کے عین نصف النہار کے موقع پر جبکہ برطانوی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، برطانوی ہند کے ایک غلام فرد، علامہ اقبال نے ستمبر 1913ء میں پڑھی گئی نظم جواب شکوہ میں آنے والے دور میں مسلمانوں کے نظامِ حکومت کے لیے لفظ 'خلافت' استعمال کیا۔ اس نظم کے اشعار ہیں

؎ وقت فرصت ہے کہاں؟ کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

؎ عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تیری
میرے درویش خلافت ہے جہانگیر تیری

؎ کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آپ نے مزید فرمایا

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

نظم طلوعِ اسلام میں فرمایا

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنی تحریروں میں اسلام کے غلبہ کے لئے حکومت کے حصول کو ضروری قرار دیا مگر انہوں نے اس کے لئے حکومت الٰہیہ کے الفاظ (غالباً مسیحی دعا کے الفاظ آسمانی بادشاہت (THINE KINGDOM) سے متاثر ہوکر) لکھے۔ مولانا مودودیؒ نے الجہاد فی الاسلام لکھی اور عمر بھر اسلام کے سیاسی نظام کے لئے کوشاں رہے۔ 1941ء میں جماعت اسلامی تشکیل پائی مگر اسلامی حکومت کے لئے نظام خلافت کے الفاظ استعمال نہ فرمائے۔

دسمبر 1930ء کا خطبہ الٰہ آباد

آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد کے موقع پر صدارتی خطبہ کے دوران علامہ محمد اقبال نے فرمایا:

''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہوکر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں جس کی اپنی حکومت ہو خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ۔ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے تقدیر مُبرم ہے'' ـــ ''لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں'' ـــ ''اسلام کے لیے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روحِ عصر سے ہم آہنگ کر سکے''۔

اس پیرا میں ملوکیت کے پردے ہٹا کر اسلامی طرزِ حکومت کا اصل چہرہ دکھانے کا

مطلب نظامِ خلافت ہی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ

قائداعظم کا مذہبی فکر ـــــ انقلابی فکر بنا تو اس میں جناب علامہ اقبال کے کلام کا بنیادی عمل دخل تھا۔ چنانچہ اپریل 1938ء میں علامہ اقبال نے وفات پائی اور ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی قائداعظم حیدرآباد میں ایک جلسہ سے خطاب کرنے جارہے تھے۔ چنانچہ یہ جلسہ اپنے اصل موضوع کی بجائے علامہ اقبال کے تعزیتی جلسہ میں بدل گیا اور قائداعظم نے علامہ اقبال کو زبردست خراج تحسین پیش فرمایا۔

قائداعظم سے متعلق اس واقعہ میں بھی علامہ اقبال کے انقلابی افکار کے زیر اثر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کے لئے خلافت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

> قائدِاعظم محمد علی جناح نے اپنی وفات بتاریخ 11 ستمبر 1948ء سے دو تین دن پہلے پروفیسر ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے! یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسولِ خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔'' (روزنامہ جنگ 11 ستمبر 1988ء)

مغربی میڈیا اور اسلامی اصطلاحات

مغربی استعماری طاقتوں نے چونکہ پہلی جنگ میں بالارادہ خلافت اسلامیہ کو ختم کیا اور مشرقِ وسطیٰ کو بھی غلام بنالیا۔ لہٰذا فرعون کی طرح انہیں محکوم قوم سے خطرہ ہے کہ کوئی 'موسیٰ' اٹھ کر فرعونِ وقت کے سارے اقتدار کو غرقِ آب نہ کردے۔ انہوں نے مختلف بہانوں سے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو نبوت، خلیفہ، خلافت، پگڑی، نماز، داڑھی وغیرہ سے بدظن کرنے کے لئے ان الفاظ کو دہشت گردی کی علامت بنادیا ہے۔ یہاں تک کہ باعمل مسلمان کو بھی 'دہشت گرد' کے روپ میں پیش کیا ہے۔ یہ عمل مغربی طاقتوں کے دل کے چور اور محکوموں میں سے کسی باصلاحیت اور مخلص

لیڈر شپ کے اُٹھنے کے اَن جانے خوف سے ماخوذ ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی تصورات کو مسخ کر کے پیش کرنے کی یہ مغربی کوششیں ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ 125 سال قبل یورپی سامراج نے جعلی نبوت کا ڈھونگ رچایا اور اس کی آج تک سرپرستی کر رہا ہے۔ مسلمان مجموعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بھی منتظر ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ مغربی دنیا مسلمانوں کے خلاف اس میڈیا وار (MEDIA WAR) میں کوئی 'جعلی مسیح' نہ کھڑا کر دے۔ حدیث پاک میں مسیح الدجال کے الفاظ وارد ہیں غالباً وہ اسی مغربی منصوبے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں شیعہ مسلک کے لوگ ایک 'امام' کے منتظر ہیں۔ مغربی کارپردازوں سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس 'امام منتظر' کے تصوّر کو بھی 'بدنام' کرنے کے لیے کوئی فتنہ کھڑا کر کے برادر اسلامی ملک ایران اور اہل تشیّع کے لیے مسائل نہ کھڑے کر دیں۔

آج مشرق وسطیٰ میں خلافت کی اصطلاح کو میڈیا پر ایک برائی کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جبکہ ـــــ جنوبی ایشیا میں یہ اصطلاح آج سے ایک صدی قبل برطانوی ہند میں غلام مسلمانوں کی زبان پر جاری تھی اور آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔

نظامِ خلافت سے کیا مراد ہے؟ اور عصر حاضر میں یہ نظام حکومت کس طرح روبعمل آئے گا؟ اس کے لئے تفصیلات علامہ اقبال کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ نامی نظم میں ابلیس کی زبان سے ادا شدہ افکار (علامہ اقبال کی طرف سے مستقبل کی اسلامی خلافت کے خدوخال کے طور پر) آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس موضوع پر ان شاء اللہ پھر کسی موقع پر گفتگو کریں گے۔

انجینئر نوید احمد علیہ الرحمہ

انجینئر مختار فاروقی

کراچی کے ایک نامور مذہبی سکالر انجینئر نوید احمد علیہ الرحمہ گزشتہ جمعہ الوداع کے مبارک دن کئی ماہ کی علالت کے بعد راہی ملک بقا ہوگئے۔ اِنَّا للّٰہ و انَّا الیہ راجعون

انجینئر نوید احمد کا تعلق تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن سندھ/کراچی سے تھا۔ انجینئرنگ کی تعلیم کے جلد ہی بعد انھوں نے تعلّم و تعلیم قرآن مجید کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ بعد ازاں انھوں نے کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کر لی تھی۔ جدید ذرائع ابلاغ میں ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بعد تنظیم اسلامی میں انجینئر نوید احمد صاحب ہی کے آڈیو ویڈیو خطابات سب سے زیادہ عام ہیں۔ ان کے مختصر حالات اور تعارف ہدیۂ قارئین ہے۔

راقم 1977ء سے 1987ء تک کراچی میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں قیام پذیر رہا اور اس عرصے میں خوش قسمتی سے اسی آبادی زمان ٹاؤن (گلشن حالی) کورنگی کراچی میں رہائش پذیر رہا جہاں انجینئر نوید صاحب کا خاندان رہائش پذیر تھا۔ یوں (گمان غالب ہے کہ) راقم کو مرحوم سے طویل ترین عرصے تک شناسائی کا شرف حاصل ہے۔ اس مفروضہ کی بنیاد پر انجینئر نوید احمد کے خاندانی کوائف، ان کی شخصیت اور ان کی دینی خدمات کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

● انجینئر نوید احمد صاحب کی تاریخ پیدائش 18 جنوری 1962ء ہے۔ 1977ء میں ابھی اپنے لڑکپن کے دور میں تھے، ان کے والد محمد سلیم خان (مرحوم) نہایت باسلیقہ اور اصول و ضابطے کے پابند انسان تھے اور نماز روزے کے بھی پابند تھے، وہ PSO میں ملازمت کرتے ہیں۔ خاندانی تعلق صوبہ خیبر پی کے میں ہری پور سے تھا۔ انجینئر نوید احمد کا خاندان روایتی مذہبیت کا نمائندہ تھا۔ ان کے دو بڑے بھائی الطاف صاحب اور انجینئر سجّاد صاحب حیات ہیں وہ ایک ہی جگہ آبائی مکان میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے والدِ مرحوم قیامِ پاکستان سے پہلے سے ہی کراچی میں کام کر رہے تھے۔

روایتی مذہبیت کے اثرات اور اس کا تانا بانا کیسے بُنا ہوا ہے اس کی وضاحت کے لیے ان کے والد مرحوم کا سنایا ہوا ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے:

''ان کے علاقے میں ایک سیّد صاحب رہائش پذیر تھے اور ان کی لوگ خوب آؤ بھگت کرتے تھے۔ پیری مریدی اور تعویذ کا کام تھا۔ اُن کو دیکھ کر علاقے کے ایک اور شخص نے بھی سیّد ہونے کا اعلان کر دیا اور اسی طرح کا کاروبار شروع کر دیا۔ پہلے والے سیّد صاحب کا کاروبار متاثر ہوا تو وہ مقامی انگریز کی عدالت میں چلے گئے کہ میں اصلی سیّد ہوں اور یہ شخص 'خود بنا ہوا سیّد' ہے لہٰذا اس کو اس کام سے روکا جائے۔ عدالت میں کارروائی ہوئی گواہ طلب ہوئے۔ نئے بنے ہوئے سیّد نے گواہ پیش کر دیے کہ یہ شخص ہمارے سامنے سیّد بنا ہے جبکہ اصلی سیّد صاحب اپنے سیّد ہونے کے ثبوت میں کوئی گواہ نہ پیش کر سکے جس سے 'اصلی' سیّد کو 'کام' سے روک دیا گیا اور دوسرے سیّد کو باعزت طور پر 'سیّد' قرار دے دیا گیا''۔

● انجینئر نوید احمد صاحب کے خاندان نے گزشتہ تین نسلوں میں شعوری اسلام کی طرف پیش قدمی کی ہے۔ ان کے دادا کا نام یاوش بخیر علی مدد خان تھا جس سے ایک صدی قبل اس خاندان کی مذہبی وابستگی اور اس کی نوعیّت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے والد کے کراچی منتقل ہونے پر قربِ کیماڑی میں رہائش پذیر ہونے اور بعد ازاں (زمان ٹاؤن) گلشن حالی کورنگی کی وجہ سے دینی پختگی پیدا ہوئی اور انجینئر صاحب نے دین کے انقلابی فکر کو سمجھا اور خوب عام کیا۔ اب اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ان کی اولاد اس انقلابی فکر کی تبلیغ و اِشاعت و اِقامت کے لیے 'پدر نتواند پسر تمام کند'

(باپ سے کام میں جو کمی رہ گئی وہ بیٹا پوری کر دے گا) کا مصداق بنے گی۔

● انجینئر نوید لڑکپن میں ایک 'ہونہار لڑکے' (غلامٍ حلیمٍ) ☆، جوانی میں 'فِتیَۃٌ آمَنُوا بِرَبِّھِم وَ زِدنٰھُم ھُدًی' ☆☆ کی درخشاں مثال اور تعلیمی کیریئر کے حساب سے خاندان کے لیے 'کُنتَ فِینَا مَرجُوًّا' ☆☆☆ یعنی اُمیدوں کا مرکز تھے۔ 30 سال کی عمر تک وہ اہل محلّہ اور اہل علاقہ کے لیے ایک 'رائد' کا کردار ادا کرتے رہے۔ انھوں نے محلّہ کی مسجد میں خطبہ کی ذمہ داری 86ء ہی میں سنبھال لی تھی۔ ایک فرمانِ رسالت ﷺ میں آپ ﷺ نے اپنے کام کی مثال یوں بیان فرمائی ہے:

اِنَّ الرائد لا یکذب أھلہ، واللّٰہ لو کذبتُ الناس جمیعًا ما کذبتُکم، ولو غررتُ الناس جمیعًا ما غررتُکم

''لوگو! تم جانتے ہو کہ رائد اپنے قافلے والوں کو کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ خدا کی قسم! اگر (بفرضِ محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی نہ کہتا اور اگر تمام انسانوں کو فریب دے سکتا تب بھی تمھیں کبھی نہ دیتا''۔

30 سال کی عمر میں انھوں نے جب ملازمت ترک کر کے دین کی کل وقت خدمت کا گرانقدر فیصلہ کیا تو اس کے بعد کے سالوں میں وہ مدینے میں سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی طرف سے اہل مدینہ کی درخواست پر بھیجے جانے والے جوانِ رعنا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرح ایک 'مقرئ القرآن' قرآن مجید کی تعلیم دینے والے کا کردار کرتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے انجمن خدام القرآن (سندھ) کراچی اور تنظیم اسلامی کراچی کی سرگرمیوں کے روحِ رواں اور 'مرجع' قرار پا گئے۔

انجینئر نوید صاحب کا 77ء سے 87ء کا دور

1۔ انجینئر نوید صاحب اس وقت کالج میں زیرِ تعلیم تھے۔ وہ محلّہ کی سادہ سی مسجد میں نماز ادا کرتے اور جمعہ میں حاضر ہوتے، دینی کاموں میں دلچسپی لیتے، مسجد کے انتظامی امور میں ہاتھ

☆ ترجمہ: نرم دل لڑکا (101:37) ☆☆ ترجمہ: وہ کئی جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی۔ (13:18)

☆☆☆ ترجمہ: ہم تم سے (کئی طرح کی) اُمیدیں رکھتے تھے۔ (62:11)

بٹاتے اور توسیع وتعمیر کے لیے مضطرب اور متفکّر رہتے۔

2۔ انہی سالوں میں ہی انھوں نے عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید کے ترجمے کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی چیز انھیں آبادی میں قائم ایک قرآنی سٹڈی سرکل (QURANIC STUDY CIRCLE) کی طرف دلچسپی کا باعث بنی اور اس کی طرف کھینچ کر لے آئی۔ اس سٹڈی سرکل میں ہفتہ وار بنیادوں پر ایک طویل نشست عصر تا رات (گیارہ / بارہ بجے تک) منعقد ہوتی تھی جس میں مطالعہ کتب، ابتدائی عربی، علامہ اقبال کی شاعری، درسِ قرآن وغیرہ کے اَسباق ہوتے تھے۔ اس سٹڈی سرکل کے 'متأثرین' میں شامل دیگر نوجوان بھی الحمدللہ دین کے کاموں میں مستعد اور فعّال ہیں اور ملک کے مختلف شہروں میں متموّل کاروباری اور اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز ہیں۔

اس سٹڈی سرکل میں نمایاں ایک نوجوان انجینئر نوید بھی تھے۔

اس وقت یہ انجینئرنگ کی تعلیم کے آخری سالوں میں تھے کہ انھوں نے مسجد میں نمازِ فجر کے بعد تفہیم القرآن میں سے چند آیات کی تلاوت اور ترجمہ کی ذمہ داری سنبھالی (سٹڈی سرکل کے دیگر نوجوان بھی عصر اور عشاء کے بعد یہ ذمہ داری ادا کرتے رہے)۔

اسی دوران اہل محلّہ کی خواہش پر اس سٹڈی سرکل کے پروگرام کو توسیع دی گئی اور ماہانہ بنیادوں پر ایک 'محفل ذکر حبیب ﷺ' کی نشست کے اہتمام کا فیصلہ کیا گیا۔ سیرت النبی ﷺ کے خطبات پر یہ نشست ہر دفعہ اہل محلّہ میں سے آسودہ حال احباب کے ہاں باری باری ہوتی تھی یہ سلسلہ غالباً 24 ماہ تک (85ء تا 87ء) چلتا رہا ہے۔

اس پروگرام میں ہر دفعہ مختلف مسالک اور نقطۂ نظر کے حامل علماء کو دعوت خطاب دی جاتی تھی۔ اس پروگرام میں دیوبندی، بریلوی، جماعت اسلامی کے اہم افراد سمیت دارالعلوم کے نامور اساتذہ وغیرہ تشریف لاتے رہے اور پروگرام علاقے کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث رہا اور حاضری خوب ہوتی تھی۔

اسی دوران کورنگی میں تنظیم اسلامی نے بلدیہ کراچی کے ایک سپورٹس کلب کے ہال میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کا ایک پروگرام منعقد کیا جس سے انجینئر نوید صاحب کو

تنظیم اسلامی کا فکر براہِ راست امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے سننے کا موقع ملا اور یوں وہ تنظیم اسلامی میں شامل ہو گئے۔

● اسی دوران میں کراچی میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پروگرام 'شام الہدیٰ' کے نام سے منعقد ہوتے تھے۔ یہ پروگرام تاج محل ہوٹل شارع فیصل میں منعقد ہوتا تھا اس پروگرام میں دیگر اہل محلّہ کے علاوہ انجینئر نوید صاحب بھی شرکت کیا کرتے تھے۔

● اپریل 86ء میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رمضان المبارک کے دوران تراویح میں ترجمہ کا پروگرام ناظم آباد نمبر 4 کی مسجد میں کیا، جس میں زمان ٹاؤن سے بھی ایک قافلہ باقاعدگی سے شریک ہوتا رہا جس میں انجینئر نوید صاحب بھی شامل تھے۔

● انجینئرنگ سے فراغت کے بعد انہوں نے PSO میں بطور انجینئر ملازمت اختیار کر لی تھی۔ مارچ 87ء میں راقم کراچی سے جھنگ منتقل ہو گیا تھا۔ انھوں نے جلد ہی اپنے خوشنما دنیاوی کیریئر کو خیر باد کہہ کر قرآن مجید کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

● 82ء سے 87ء تک مسجد کے تعمیراتی کاموں میں انجینئر نوید احمد صاحب نے بنیادی کردار ادا کیا اور موجودہ جامع مسجد گلشن حالی کی چار دیواری، وضو خانہ، مسجد کا برآمدہ، مین ہال اور مشرقی مین دروازہ اس دور کی یادگار ہیں۔

● قرآن اکیڈمی جھنگ کے معاملات میں بھی وہ دلچسپی رکھتے تھے اور اچھی بات یہ ہے کہ زندگی کے آخری سالوں میں انھوں نے دعوت رجوع اِلی القرآن اور قیامِ نظامِ خلافت کی تحریک کا پودا اپنے آبائی علاقہ ہری پور میں بھی لگایا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے وہ ان کی ان مساعی میں برکت دے اور علاقے کو قرآن کی دعوت کا گہوارہ بنا دے۔ آمین

95ء سے لے کر آخری دم تک انجینئر نوید صاحب جس طرح لوگوں کو قرآن مجید کی تعلّم و تعلیم کے لئے ابھارتے رہے، وہ انہی کا حصّہ ہے اور ان کا کارنامہ ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے مفہوم کے مطابق وہ نوجوانوں کیا، بڑوں کو بھی کپڑے پکڑ پکڑ کر دنیاوی اور خوشنما کریئرز کی مصروفیات کی آگ سے کھینچ کر قرآن اکیڈمی ڈیفنس، قرآن آکیڈمی یٰسین آباد اور قرآن مرکز کورنگی کی ٹھنڈی چھاؤں لا کر آباد کرتے رہے۔

● ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی جناب اظہر بختیار خلجی صاحب اور امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید مدظلہ کی نگاہِ انتخاب انجینئر نوید صاحب پر پڑی تو آخری سالوں میں وہ کراچی سے اُٹھ کر تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی ناظم تعلیم وتربیت کے منصب پر آ گئے تھے اور یوں اللہ تعالیٰ نے ان کی صلاحیتوں کی خوشبو سے پورے پاکستان کو معطّر کر دیا۔ انجینئر نوید احمد کے تذکرے میں یہ مسنون دعا بہت اہم ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، أَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ لَنَا وَلَكُمْ

ترجمہ: ''سلامتی ہو تم پر اے اس دیار (ملک بقا) کے رہنے والے مؤمنو اور مسلمانو! اِن شاء اللہ، ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں۔ تم ہمارے پیشرو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ ہم، اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں''۔

انجینئر نوید صاحب 53 سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے سب کو ہی جانا ہے اگر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حسنِ خاتمہ کی سعادت مل گئی تو اُمید ہے کہ روزِ حشر اچھی کیفیت میں ملاقات ہو گی۔

شمالی پنجاب کے عظیم شاعر محمد بخش جہلمیؒ صاحبِ 'سیف الملوک' کے اشعار ہیں

ے لے او یار حوالے رب دے، تے میلے چار دناں دے
اس دن عید مبارک ہوسیں جس دن فیر ملاں گے

اور ے دشمن مرے تے خوشی نہ کریے سجناں وی مرجاناں
دیگر ویلے سورج آیا اوڑک نوں ڈُب جانا

(مفہوم: ☆ اے دوست اللہ کے حوالے دنیا میں اکٹھے رہنا بہت مختصر ہے یقیناً قیامت میں اچھی حالت میں ملاقات ہوئی تو وہ 'عید' کا دن ہو گا۔ ☆ دشمن فوت ہو جائے تو بھی خوشی نہ مناؤ کہ دوستوں نے بھی ایک دن چلے جانا ہے ہماری عمر کا سورج بھی ڈھل کر عصر کے بعد پیلا ہو چکا ہے جلد ہی موت آنے والی ہے۔)

ع آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

کیا عصری تعلیم تصوّرِ خدا سے خالی ہے؟

عبد الرشید ارشد

دورِ حاضر میں عمومی تأثر یہ ہے کہ تعلیم یا علم دو طرح کا ہے: ایک مذہبی تعلیم ہے تو دوسری عصری تعلیم ہے۔ پہلی عاقبت سنوارتی ہے تو دوسری دنیا کو سنوارتی ہے۔ پہلے طرزِ تعلیم کے لئے دینی مدارس ہیں تو دوسرے نظامِ تعلیم کے لئے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ فعّال ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کہیں آخرت 'سنور' رہی ہے تو کہیں دنیا 'سنواری' جا رہی ہے۔ اس تصورِ تعلیم میں اکثر اوقات ایمان کی سی پختگی دیکھی جاتی ہے۔ 'تصور' کی اس عمارت کو گرانے پر کوئی آمادہ نظر نہیں آتا۔

منبعِ علم ایک ہے۔ 'مدرّس' ایک ہے یعنی یہ خالق کائنات ہے جس نے انسان کو تخلیق کرنے کے ساتھ ہی اسے علم کی نعمت سے نوازا۔ اس کی گواہی آخری مکمل و مدلل کتابِ ہدایت قرآن کریم دے رہا ہے۔:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا.....(البقرہ 31)

''اور ہم نے آدم کو کل اشیاء کا علم عطا کیا''

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا O اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا O (الدھر 2،3)

''ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تا کہ ہم اس کو عملی زندگی کے جملہ معاملات

کے لئے مکلّف بنائیں لہٰذا اسے دیکھتا، سنتا، سمجھتا بنایا اور اس پر مستزاد اسے اچھائی اور برائی کے دونوں راستے واضح طور پر بتا دیئے۔ (اسے آزاد مرضی دی) کہ اب وہ اپنے لئے شکر گزاری یعنی اطاعت وفرمابرداری کا راستہ اپنائے یا کفر وانکار کی راہ پر باغی بن کر چل نکلے''

ہم مذکورہ تمہیدی کلمات کے بعد عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے ضمناً یہ کہہ دینے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ آج ہماری مذہبی تعلیم بھی روحِ دین سے عاری ہے اور روحِ دنیا کی طرف مائل ہی نہیں رواں دواں ہے کہ ہر نئی صبح وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا اور وَلَاتَفَرَّقُوْا کی جگہ تَفَرَّقُوْا کے نعرۂ مستانہ کے ساتھ نئی جماعت سے متعارف کراتی ہے اور ہر ایسی جماعت یا گروہ کا دعویٰ ہے کہ وہی حق کا داعی ہے دوسرے گمراہ ہیں۔

آیئے اب عصری علوم میں تصورِ خدا پر بات کرتے ہیں۔ خالق کائنات جس نے انسان کو علم سے نوازا، کیا اس نے ہر علم کو اپنے تصور سے دور رکھا یا بعض میں تصور رکھا اور بعض علوم کے لئے اپنے تصور کو ضروری نہ جانا؟ یہ سوچ بنیادی طور پر درست نہیں ہے بلکہ مسلّمہ حقیقت یہی ہے کہ ہر طرح کے علم کے ساتھ اس کی ذات وابستہ ہے۔ قرآن وحدیث تو ہیں ہی، مگر جنہیں ہم عصری علوم کے نام سے جانتے ہیں ان میں سے ہر شعبہ علم خالق کے ساتھ مربوط ہے۔ آپ سائنسی علوم میں فزکس، کیمسٹری، باٹنی، ذوالوجی یا اناٹومی کو دیکھئے یا زراعت وصنعت کو، آپ سماجی ومعاشرتی علوم کو لیجئے، نفسیات کے علم کی بنیادوں میں جھانکئے، آپ فزیوتھراپی کا تعلق نماز کی ادائیگی سے جوڑیئے ہر جگہ تصورِ خدا موجود ہے۔

تعلیم میں تصورِ خدا کے دو بنیادی ذرائع ہیں۔ نصابِ تعلیم اور معلّمین ومعلّمات۔ نصابِ تعلیم غیر ملکی آقاؤں کے اشاروں اور مالی معاونت کے سبب بتدریج تصورِ خدا سے دور ہوتا گیا اور آج سسک رہا ہے۔ دوسرے درجے میں نصاب پڑھانے والے ہیں تو تصور خدا سے عاری نصاب پڑھ کر معلم بننے والوں کے قلوب واذہان میں تصور خدا کا ادراک اتنا ہی ہوگا جس قدر والدین کی تربیت، گھر کے عمومی ماحول اور ان کے نصابِ تعلیم کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم پڑھانے والوں میں ہوگا۔ آج شاید ہی کوئی معلم ومعلّمہ یا مسیحا کہلوانے والے ڈاکٹر ہوں گے جو

گھر سے صبح باہر قدم اس تصور کے ساتھ رکھیں کہ ہم ایک مقدس مشن کے لئے جا رہے ہیں۔عمومی رویہ تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم ''دِہاڑی'' لگانے جا رہے ہیں اور واقعتاً ''دِہاڑیاں'' ہی لگتی ہیں کہ سکول کالج ایک دو پیریڈ لیے، ادھر ٹائم ختم ہوا ادھر اکیڈمی کا رخ کیا، وہاں سے پھر ٹیوشن سنٹر، گویا معلم محض پیسہ کمانے کی مشین ہے۔

مسیحا کہلوانے والے ڈاکٹر حضرات بھی فی الواقعہ ''منی میکرز'' ہیں کہ ہسپتال میں دل نہیں لگتا، اکثریت کے ذاتی کلینک ہیں اور ہسپتال آنے والے مریضوں کو اپنے پرائیویٹ کلینک کا رخ دکھانے میں انہیں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ بہتان نہیں مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر کہا جا رہا ہے۔کل جو ڈاکٹر پیدل ملازمت جائن کرنے آیا تھا سال بعد بہترین کار کا مالک ہے تو تین سال بعد معقول ترین رہائش مقدر بنتی ہے اور پھر چند سال بعد ملازمت کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا بہترین ہسپتال چل رہا ہوتا ہے، جو یقیناً اس کی ہسپتال سے ملنے والی تنخواہ سے ممکن نہ تھا، یہ تعلیم کے تصورِ خدا سے عاری ہونے کا ثبوت ہے۔

عصری تعلیم یا علوم میں تصورِ خدا سے آشنا معلم یا معلّمہ جب اور جس مضمون کے حوالے سے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہوں گے تو ان کا ابتدائیہ کچھ یوں ہوگا مثلاً:

(ا) سائنس کی کلاس ہے کیمسٹری میں آکسیجن پڑھانے کا پیریڈ ہے استاد بات کا آغاز یوں کرتا ہے:

> ''بچو! آج ہم آکسیجن گیس کا سبق پڑھیں گے۔آپ لیبارٹری میں چند مرکبات کے ذریعے یہ گیس تیار کرتے ہیں۔ یہ مرکبات مارکیٹ سے خریدتے ہیں۔آپ جانتے ہیں کہ یہی آکسیجن ہمارے سانس لینے کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ یہ ہر جاندار کی بنیادی ضرورت ہے۔کیا کوئی سائنس کی لیبارٹری یا کوئی بڑے سے بڑا کارخانہ اس مقدار میں آکسیجن پیدا کر سکتا ہے؟ ہم سب کا جواب ایک ہی ہوگا کہ دنیا کے ہر کونے میں بے شمار آکسیجن بنانے کے کارخانے بھی روئے زمین کے جانداروں کو ضرورت کی آکسیجن مہیا نہیں کر سکتے۔اب دیکھیں ہمارے خالق نے ہمارے پرورش کنندہ رب نے ہر ذی روح تک آکسیجن پہنچانے کا کونسا طریقہ

ترتیب دیا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ درختوں کے سبز پتے آکسیجن بناتے ہیں ۔ قدرت نے اسے ہوا کا جزو بھی بنایا ہے جس سے ہم سانس لیتے ہیں یہی آکسیجن ہر ذی روح کے پھیپھڑوں میں جا کر جسم میں گردش کرنے والے خون کی صفائی کرتے اس کی سرخی بحال کرتی ہے۔عزیز طلباء! یہی آکسیجن پھیپھڑوں میں استعمال ہونے کے بعد کاربن ڈائی اکسائڈ گیس میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ زہریلی گیس ہر ذی روح کی زندگی کے لئے خطرہ بن جاتی ہے۔

اب آپ ذرا اللہ تعالیٰ کی منصوبہ سازی اور مہربان وشفیق ہونے کی عظمت دیکھیں کہ آکسیجن وزن میں بھاری اور کاربن ڈائی اکسائڈ کو ہلکا بنایا کہ سانس کے لئے آکسیجن تو نیچے رہے مگر زہریلی کاربن ڈائی اکسائڈ ہلکی ہونے کے سبب سر سے اوپر جائے۔ یوں اگر کسی جگہ لاکھوں لوگ بھی جمع ہو کر سانس کے ذریعے کاربن ڈای اکسائڈ فضا میں چھوڑیں تو یہ کسی جان کے لئے مہلک نہ ہو۔

بچو! اللہ تعالیٰ کا یہی احسان نہیں۔ اگر کاربن ڈائی اکسائڈ کو ضائع کرنے کا انتظام نہ ہوتا تو قیمتی جانیں ہر وقت خطرہ میں ہوتیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا خودکار نظام تشکیل دیا کہ یہ سبز پتے ایک طرف انسانی جان کے لئے آکسیجن بنائیں تو دوسری طرف انسانوں کی سانس کے ساتھ نکالی جانے والی مہلک کاربن ڈائی اکسائڈ کو اپنی خوراک کے طور پر جذب بھی کرتے رہیں۔ یہ گردش ازل سے ابد تک جاری رہے گی۔ پھر یہی نہیں بلکہ انسان کی بنیادی ضرورت پانی کے لئے بھی اسے ایک اور گیس کے ساتھ ملا کر ہماری زندگی کو سہل بنایا۔ ہمارا پانی بھی دو گیسوں کا مجموعہ ہے یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ایک حصہ آکسیجن کے ساتھ دو حصے ہائیڈروجن (H_2O) مل جائیں تو پانی بنتا ہے۔کیا دنیا کا کوئی کارخانہ یا بے شمار کارخانے مل کر بھی کائنات میں بسنے والی مخلوق کے لئے مطلوبہ مقدار میں پانی مہیا کر سکتے تھے؟ یہ ہے خالق کا خودکار نظام۔

یہ تو تھا سائنس میں تصورِ خدا۔اب دوسرے علوم کا بھی سرسری جائزہ لیتے ہیں کہ خالق

کائنات کا ہر علم کے ساتھ رشتہ کیا ہے، یا کیسا ہے؟

(ب) میڈیکل سٹوڈنٹس کی کلاس ہے اور ڈاکٹر صاحب کے لیکچر کا موضوع ہے تخلیق انسان۔ مسلم پروفیسر ڈاکٹر اپنی کلاس سے مخاطب ہوتے ہی پہلے بات یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس نے 6 ادوار میں کائنات تخلیق کی پھر طے شدہ منصوبہ کے مطابق تخلیق انسان کا مرحلہ آیا۔ ہمارے لئے خالق کی عطا کردہ معتبر ترین کتاب ہدایت قرآن کریم کے مطابق انسانی تخلیق یوں ہوئی:۔

''اس نے تم کو آدم سے پیدا کیا جس کا اس نے (بیوی دے کر) جوڑا بنایا۔ پھر ماں کے پیٹ میں مختلف مدارج سے گذارا اور (یہ مراحل) تین تاریکیوں میں مکمل ہوئے (یعنی رحم مادر میں جنین پانی کی تھیلی میں تھا اور اوپر پیٹ کی کھال تھی، یہ حفاظتی دیواریں تھیں تاکہ ولادت باحفاظت ہو)'' (الزمر 7)

گائنی کی کلاس میں خالق کی تخلیق کے حوالے سے خدا شناسی یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ ولادت کے بعد دنیا کا کوئی علم، کوئی ترکیب بچے کا دودھ چوسنا نہیں سکھا سکتی مگر یہ خالق ہی ہے کہ پیدائش کے لمحوں کے بعد بچہ انسان کا ہو یا حیوان کا، وہ ماں کا دودھ چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ پیدائش سے پہلے دودھ نہ تھا مگر پیدائش کے مراحل کے ساتھ ہی دودھ کی آمد شروع ہوگئی۔

(ج) سائنس ہی کا ایک شعبہ باٹنی بھی ہے۔ پروفیسر صاحب پوٹینکل گارڈن میں کلاس لے رہے ہیں بات پھول کی ہو رہی ہے وہ بطور مثال اپنی کلاس کو خالق کا نظام سمجھا رہے ہیں مثلاً مالٹا ہاتھ میں لیے فرما رہے ہیں کہ آغاز میں یہ پھل کڑوا ہوتا ہے، پھر کچھ دنوں بعد یہی کڑواہٹ ترشی میں بدل جاتی ہے اور جب یہ پک کر تیار ہوتا ہے تو یہی ترشی مٹھاس میں بدل چکی ہوتی ہے، حالانکہ وہی مٹی وہی پانی اور وہی ہوا ہر مرحلے میں اسے ملتی رہی ہے یہ ہے خالق کا خودکار (بلٹ اِن) سسٹم۔''

ہارٹی کلچر کے پروفیسر پھولوں کی کیاری کے کنارے اپنی کلاس کو بتا رہے ہیں کہ پھولوں کے یہ چھوٹے چھوٹے بیج زمین میں جاتے ہیں، پانی ایک جیسا ہے مگر ہر پھول کی اٹھان مختلف ہے۔ رنگ اپنا اپنا ہے۔ خوشبو اپنی اپنی ہے۔ خوشبو کسی بھی نوع کے بیج میں آپ نہیں پاتے

مگر جونہی بیج سے اُگا پودا پھول لاتا ہے تو اس پھول سے خوشبو سونگھی تو جا سکتی ہے مگر دیکھی نہیں جا سکتی۔ کیا یہ خالق کی تخلیق کا شاہکار نہیں ہے؟

(۵) فزیوتھراپی کی کلاس ہے۔ پروفیسر صاحب طلبا وطلبات کو، انسانی جسم کی حفاظت وتوانائی کے حوالے سے فزیوتھراپی کی اہمیت پر لیکچر دے رہے ہیں۔ دوران لیکچر وہ کلاس سے مخاطب ہوتے یہ نکتہ سامنے لاتے ہیں کہ انسان کے خالق نے بھی اپنے بندوں کو چاک و چوبند رکھنے کی خاطر فزیوتھراپی متعارف کرائی۔ ورزش کے حوالے سے ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ ہمیشہ دھیمے انداز کی ورزش انسان کے لیے مفید ہے۔ خالق نے اِسی اصول کو سب سے پہلے متعارف کراتے پانچ وقت نماز کی ادائیگی ہر مرد وزن کے لئے لازم ٹھہرائی اور یہ حکم صرف آخری امت ہی کے لئے نہیں بلکہ ماضی کی ہر امت کے لئے نماز لازم تھی کہ خالق کو کمزور انسان کی نسبت توانا انسان پسند ہے۔ کیونکہ اس کے دین کو غالب رکھنے کے لئے ہمہ جہت توانائی کی ضرورت ہے۔

نماز سے قبل وضو طہارت اور سکون کی خاطر ہے۔ پھر مختلف اوقات میں چھوٹی بڑی نماز ہے۔ مثلاً ہم صبح مختصر ناشتہ کرتے ہیں، فجر کی نماز مختصر ہے، ہم دوپہر کو ظہرانہ کھاتے ہیں اسی مناسبت سے نماز ذرا لمبی، ہم بعد دوپہر عصرانہ یا چائے وغیرہ لیتے ہیں، عصر کی نماز مختصر ہے، مغرب رات کھانے سے قبل مختصر، یوں کہئے کہ یہ ''ایپیٹائزر'' ہے پھر عشائیہ جی بھر کر، تو نماز بھی تھوڑی لمبی۔ یہ انسانی جسم اور اندر کے انسان یعنی روح کی صحت کے لئے خالق کا انتظام ہے جسم و روح کی صحت کے لئے یہ شرعی فزیوتھراپی ہے۔

''تصورِ خدا اور تعلیم'' سے آشنا معلم اپنے ہر سبق میں قرآن اور سیرت سرورِ دو عالم ﷺ سے استفادہ کرتے طلبا کے قلوب واذہان میں اس تصور کو راسخ کر سکتا ہے۔ اس تصور سے سرشار شاگرد جب عملی زندگی میں آئیں گے تو ان کے رویوں سے اخلاق وکردار کی اعلیٰ اقدار کی خوشبو آئے گی اور اسی مہک کے سبب سماجی ومعاشرتی خرابیاں دور ہوں گی، امن وسکون، تحفظ اور خوشحالی عامۃ الناس کا مقدر بنے گا۔

تعلیم میں تصورِ خدا اقوام غرب کو کبھی ہضم نہیں ہو سکا۔ اسلام دشمنی میں یہود ونصاریٰ اپنا ثانی نہیں رکھتے وہ ہر حربہ استعمال کرتے مسلمانوں کے قلوب واذہان سے اسلامی اَخلاق وکردار

کی اعلیٰ اَقدار کو کھرچ نکالنے پر ہر دور میں مستعد دیکھے گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے عالمی سطح پر 'عروج' سے اقوام عالم کو ڈرایا کہ یہ عروج ان کا زوال ہے اور اگر اس زوال کا راستہ نہ روکا گیا تو اقوام غرب مٹ جائیں گے۔ بطور مثال ''تہذیبوں کے تصادم'' میں دیکھئے کہ:

''سیاسی سطح پر تہذیب کے زیر اثر علاقہ 1900ء میں مغربی ممالک 20,290 (فی مربع میل ہزاروں میں) تھا جب کہ مسلم ممالک کا علاقہ 3592 تھا مگر 1993ء میں مغربی ممالک 12711 پر نیچے آئے تو مسلم ممالک 11054 کے عدد کے ساتھ اوپر ابھرے۔ عالمی سطح پر شرح فی صد یہ رہی کہ 1900ء میں مغربی ممالک 38.7 تھے تو مسلم ممالک 6.5 تھے مگر 1993ء میں مغربی ممالک کا تنزل 24.2 پر لے آیا تو مسلم ممالک 21.1 تک پہنچ گئے۔

عالمی سطح پر تہذیبوں کی آبادی کا گوشوارہ یہ رہا کہ: 1900ء میں مغربی ممالک 44.3 تھے تو مسلمان 4.6 تھے۔ 2025ء میں مغرب کی آبادی 10.1 ہوئی (شرح بڑھوتری) تو مسلم ممالک کی 19.2 ہوگی۔

عالمی سطح پر معیشت کا اتار چڑھاؤ۔ 1950ء میں مغرب 64.1 اور مسلم ممالک 2.9 تھا مگر 1992ء میں یہ تناسب مغرب 48.9 ہوگیا تو مسلم ممالک کا گراف 11.0 تک اوپر چلا گیا۔ اسی طرح افواج یا عسکری قوت کے حوالے سے 1900 میں مغرب 43.7 اور مسلم ممالک 16.7 تھے مگر 1991ء میں مغرب 21.1 تک نیچے گر گیا اور مسلم ممالک 20.0 تک اوپر چلے گئے۔''

(CLASH OF CIVILIZATION'S HUNTENGTION P-84-85)

مذکورہ تجزیہ یورپ و امریکہ کو اس سوچ پر مجبور کرنے کے لئے کافی تھا کہ ملت مسلمہ کے قلوب و اذہان سے اگر اسلام کے حقیقی تصور کو کھرچ نکالا جائے تو ان کی بڑھوتری کو صرف یہ کہ کنٹرول کیا جا سکتا ہے بلکہ مکمل طور پر غیر مؤثر بنایا جا سکتا ہے اس مقصد کے حصول کا مؤثر ترین ذریعہ نظامِ تعلیم کو ''داغدار'' کرنا تھا۔ لہٰذا مغرب نے اس مقصد کے لئے دو طریقے اپنائے پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ معلّمین و معلّمات کو یورپ میں اعلیٰ تربیت کے لئے حکومتی سطح پر وظائف دیے

جائیں اور یورپ میں زیرتربیت رہنے والوں کی برین واشنگ کی جائے کہ وہ نہ مسیحی بنیں اور نہ ہی سچے کھرے مسلمان رہیں بلکہ ''روشن خیال''، معلّمین ومعلّمات بن کر اپنے زیرتعلیم طلبا وطالبات کو بھی روشن خیال نسل میں تبدیل کریں۔

یہ محض مفروضہ نہیں ہم بطور شہادت ایک مثال سامنے لاتے ہیں۔ میکگل یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے تین افراد کا انتخاب ہوا۔ فضل الرحمٰن (جو بعد میں اسلامی نظریاتی کونسل کے متنازع چیئرمین بنے) راجہ ف م ماجد (جو کبھی ملتان بورڈ کے چیئرمین رہے) تیسرے شخص کا نام اس وقت ذہن میں نہیں ہے۔ راجہ صاحب راوی ہیں کہ میکگل میں ہمارے شعبہ اسلامیات کے استاد پروفیسر جیمز سمتھ تھے جو بلاشبہ قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے، اتھارٹی تھے، وہ کلاس میں ایسی صورت حال پیدا کر دیتے تھے کہ مسلم طلبا خود کو بند گلی میں پاتے۔ ہم لاجواب ہو جاتے۔ نتیجہ یہ رہا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نہ مرتد ہوئے نہ مسلمان رہے۔ ہمارا تیسرا ساتھی مرتد ہو گیا اور میں ایمان بچانے کی خاطر تعلیم ادھوری چھوڑ کر لوٹ آیا۔

اَقوامِ غرب نے دوسرا راستہ یہ اپنایا کہ نصاب تعلیم کو ''جدید تقاضوں سے ہم آہنگ'' کرنے کی خاطر ہمیں خطیر امداد سے نوازا۔ ہمارے ماہرین کو اپنے ممالک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بلایا۔ انہیں روز بروز بدلتے حالات سے عہدہ برا ہونے کے حوالے سے نصابِ تعلیم میں ''معقول'' تبدیلیوں کے لئے قائل کیا۔ یوں ہمارے حکمران اور ''ماہرین تعلیم'' نصاب سے تصورِ خدا کو نکال کر روشن خیالی ڈالنے کے لئے ہر لمحہ مستعد دیکھے گئے۔ یہ بھی محض بہتان نہیں بلکہ ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ حکمران اور ماہرین اس 'کارِ خیر' میں اپنا اپنا حصہ ڈالتے رہے ہیں:

"THE PROGRESS IN EDUCATION IS AT ITS PEAK IN THE PRESENT DAY. THE QUALITY OF EDUCATION IS THE MAIN DISTINCTION OF THE DEVELOPED NATIONS. TO ACHIEVE EXCELLENCE IN QUALITY EDUCATION, THE CURRICULMN, AND TEXT BOOKS PLAY THE BASIC ROLE. PLACING MAIN EMPHASIS ON MODERNIZATION OF CURRICULMN....."

(CH:PERVAIZ ELAHI,CM.PUNJAB,SCIENCE CLASS-7)

ساتویں جماعت کی سائنس کی کتاب میں صفحہ اوّل پر وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی کا نقطۂ نظر تحریر ہے۔ کتاب کے صفحہ 31 پر ساتویں جماعت کے معصوم ذہنوں کو MALE REPRODUTIVE کے تحت REPRODUCTION OF MAN SYSTEM پر بات کرتے 9، 10 سال کے بچے بچی کو بتایا جا رہا ہے کہ:

"IN MAN PRODUCTIVE SYSTEM CONSISTS OF TWO TESTES, WHERE MALE GAMETES OR SPERMS ARE PRODUCCED. TESTES ARE ENCLOSED IN A LOOSING BAG OF SKIN, TWO OVOURIES ARE PRESENT IN THE FEMALE BODY.... A SEXUAL PRODUCTION : THERE ARE VARIOUS METHODS OF ASEXUAL PRODUCTION IN DIFFERENTS ORGANISM...."

روشن خیال نظامِ تعلیم کا حقیقی چہرہ دکھانے کے لئے ہم اس شرمناک اقتباس کو سامنے لانے پر مجبور تھے کہ وزیر اعلیٰ کی اعلیٰ و معیاری تعلیم کے لئے کاوش آپ دیکھ سکیں۔ یہاں ایک وزیر اعلیٰ نہیں بلکہ اس تھیلی میں اور بھی بہت کچھ ہے۔ مثلاً

''مسلم ممالک میں نظامِ تعلیم بتدریج تبدیل کرایا جائے۔ پاکستان کی وزیر تعلیم زبیدہ جلال ایک ونڈر فل لیڈی ہیں، میں نے ان سے واشنگٹن میں ملاقات کی تھی اور نصابِ تعلیم پر گفتگو ہوئی تھی.....'' (لونڈا لیزا رائس، مشیر امریکی صدر)

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

آدمی جن سے محبت کرتا ہے انھیں کا ساتھی ہوتا ہے

(الحدیث)

حضرت یوسف علیہ السلام

بادشاہ اور فرعون

ابن بلوچ

(بشکریہ ماہنامہ کوثر لاہور، مارچ 2015ء)

میرا نام جیمز واٹ ہے۔ تاریخ میرا پسندیدہ موضوع ہے اور مصری تاریخ خاص طور پر میری دلچسپی کا مرکز رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید ہی دنیا کی کوئی اور تاریخ اس قدر پراسرار، عظیم الشان، دلچسپ اور ہمہ رنگ ہو جس قدر مصر کی تاریخ ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں، میں مصر کے اس دور کا مطالعہ کر رہا تھا جس میں ان پر باہر سے آئی ہوئی قوموں نے حکومت کی۔ اس طرح کا ایک دور 1720 سے 1567 قبل از مسیح کا تھا۔ اس دور کے بارے میں دلچسپ بات یہ معلوم ہوئی کہ مصریوں نے اسے اپنی تاریخ میں کوئی جگہ نہیں دی۔ حالانکہ امن وامان اور خوشحالی کے لحاظ سے یہ سنہری دور تھا۔

جب میں نے اس دور کے حوالے سے پوری تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس دور کے حکمرانوں کو مصری HYXSOS یعنی چرواہا خاندان کہتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یہ تجارت کے لیے مصر میں آتے رہتے تھے۔ 1720 ق م کے قریب جب مصر کے مقامی حکمرانوں کی حکومت پر گرفت کمزور پڑی تو ان کے بعض جنگجو قبائل نے یہاں قسمت آزمائی کی اور مختصر جنگوں کے بعد یہ مصر کے حکمران بن گئے۔ یہ لوگ چونکہ بھیڑ بکریاں اور دوسرے جانور پالتے تھے اور اسی پر ان کی معاش کا زیادہ تر دارومدار تھا، اس لیے انہیں ''چرواہا'' کہا جاتا تھا۔ دراصل مصری میں HYK کا

مطلب ہے چرواہا یا چرواہا بادشاہ۔ اسی خاندان کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس خاندان کے دورِ حکومت میں مصر میں غلام بنا کر لائے گئے اور پھر وہ عزیز مصر کے عہدے پر پہنچ کر عملاً مصر کے حکمران بن گئے۔ اس بات کے معلوم ہو جانے کے بعد مجھے میرے اس سوال کا جواب مل گیا کہ مصریوں نے تاریخ کے اس حصے کو جان بوجھ کر کیوں گول کیا ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا چرواہا خاندان کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور یہ مقامی مصری یعنی قبطیوں کے دشمن تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کا ذکر اپنی تاریخ میں گوارا نہیں کیا۔ مصری تو اس قدر متعصب تھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل تک کا ذکر اپنی تاریخ سے نکال دیا تھا۔

اس سلسلے میں، میں نے بائبل، تالمود، قرآن مجید اور اس دور کے کھنڈرات اور کتبوں کا مطالعہ کیا۔ مجھے قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام پر ایک تفصیلی سورہ ملی۔ اس میں میرے لیے حیرت کا باعث یہ بات بنی کہ قرآن اس دور کے بادشاہ کو فرعون نہیں بلکہ ''ملک'' یعنی بادشاہ کہتا ہے (سورۂ یوسف: آیات 43 اور 50)۔ میرے لیے یہ بڑی دلچسپ بات تھی وجہ اس کی یہ تھی کہ بائبل اور تالمود میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے بادشاہ کو بھی فرعون کہا گیا تھا اور اسی بات سے اس داستان نے جنم لیا جس کو سنانے کے لیے میں نے قلم اور کاغذ کا سہارا لیا ہے۔

جب میں نے اپنے ایک ساتھی پروفیسر ہائمن سے اس دلچسپ فرق کا ذکر کیا تو وہ تیکھے انداز میں مجھ سے کہنے لگا: ''تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے؟''

مجھے ہائمن کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ قرآن کو ہرگز الہامی کتاب نہیں مانتا۔ دراصل وہ ایک مسیحی تھا لیکن بعد میں دہریہ ہو گیا اور اب وہ تمام مذاہب کے خلاف سخت جذبات رکھتا ہے۔ میں نے اس کے جواب میں کہا: ''بھئی، اس کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے کہ قرآن کا مصنف کوئی انسان نہیں ہو سکتا۔''

پروفیسر ہائمن غصے سے بولا: ''ہونہہ..... ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ، بھلا اس بات سے یہ نتیجہ کیسے نکلا؟ سیدھی سی بات ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اسماعیلی تھے اور ان کے ہاں یہ روایت موجود رہی ہوگی کہ اسماعیلیوں نے مصر پر حکومت کی ہے۔ چنانچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (نعوذ باللہ) اس

معروف بات کے مطابق قرآن میں فرعون کے بجائے بادشاہ کا لفظ ڈال دیا۔''

میں نے فوراً جواب میں کہا: ''چلیں، آپ کی یہ بات مان لیتے ہیں کہ عربوں کو معلوم تھا کہ اس وقت مصر میں بنی اسرائیل کی حکومت تھی۔ اس لیے قرآن اس وقت کے حکمران کو ''فرعون'' نہیں بادشاہ کہتا ہے، لیکن اس سے کم از کم یہ تو واضح ہو ہی جاتا ہے کہ قرآن تاریخ بیان کرتے ہوئے اپنی معلومات سے کام لیتا ہے نہ کہ بائبل اور یہودیوں کی روایات سے!'' میں نے ایک دوسرے پہلو سے بات کی۔ ہائمن کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا کیونکہ بائبل کے علماء چاہے وہ یہود ہوں یا مسیحی، قرآن پر اکثر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس میں بائبل سے معلومات لی گئیں ہیں، لیکن اب خود ہائمن کی اس بات سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ قرآن نے بائبل اور یہودی روایت کے برعکس مصر کے اس حکمران کو فرعون نہیں بلکہ بادشاہ کہا ہے۔ یہاں میں یہ وضاحت کر دوں کہ مصری اپنے خاندانی بادشاہ کو فرعون کہتے تھے، جیسے رومی اپنے بادشاہوں کو ''قیصر'' اور ایرانی اپنے حکمرانوں کو ''کسریٰ'' کہتے تھے۔

خیر ہائمن کی ہٹ دھرمی دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے کہا: ''پروفیسر ہائمن، آخر تم یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ کم از کم اس موضوع پر قرآن کی بات بائبل اور تالمود سے بالکل مختلف بھی ہے اور درست بھی۔ اور یہ کہ قرآن بائبل اور تالمود سے اختلاف بھی کرتا ہے تو درست علم کی بنیاد پر کرتا ہے۔'' مگر ہائمن نے انتہائی بدتمیزی کے ساتھ گفتگو کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم خوامخواہ ایک چھوٹی سی بات سے قرآن کو ''ایک الہامی'' کتاب بنانے پر تل گئے ہو۔

مجھے اس کے رویے پر بہت دکھ ہوا اور میں نے بھی بدمزہ ہو کر مزید بات نہ کی۔ اس کے بعد میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ دیکھیں بھلا خود مسلمان قرآن کے اس شاندار فرق کو کیسے بیان کرتے ہیں۔

اس مقصد کے لیے جب میں نے مختلف کتابوں کو دیکھا تو ایک اور انکشاف نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ یہ کہ قدیم مسلمان مفسرین اس فرق سے بالکل ناواقف ہیں، بلکہ بعض نے تو اس وقت کے مصری حکمران کو ''فرعون'' ہی کہا ہے۔ بعض کتابوں میں مجھے یہ بھی لکھا ملا کہ اس مصری حکمران کا نام ''ریان بن ولید'' تھا لیکن محدثین اس روایت کو درست نہیں سمجھتے۔ اور دلچسپ بات تو

یہ ہے کہ اکثر مسیحی اور یہودی علماء نے قرآن کا (نعوذ باللہ) مذاق اڑایا ہے کہ اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ مصر کے حکمرانوں کو بادشاہ نہیں فرعون کہتے ہیں اور بعض مسلمان علماء ان کی اس بات سے مرعوب ہوکر یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ اور فرعون ہم معنی لفظ ہیں۔ البتہ چند جدید مفسرین جنہوں نے بائبل کی نئی تحقیقات کا بھی مطالعہ کیا ہے وہ اس فرق سے ضرور واقف ہوں گے۔

میں نے اپنی ان معلومات پر ایک اور مسیحی عالم سے پوچھا کہ بائبل کی اس غلطی کا ان کے پاس کیا جواب ہے کہ وہ ایک غیر مصری حکمران کو ''فرعون'' کہتی ہے۔ فادر آگسٹس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کہا: ''ہاں، واقعی یہ بائبل کا غلط ترجمہ ہے۔ اگر ہمارے پاس بائبل کے اس حصے کا اصل متن ہوتا تو وہاں ضرور ''بادشاہ'' ہی لکھا ہوتا، فرعون نہ ہوتا کیونکہ اللہ کے کسی کلام میں ایسی غلطی نہیں ہوسکتی۔''

میں فادر آگسٹس کی اس حق گوئی سے بہت متاثر ہوا اور کہا: ''فادر، آپ کو حیرت ہوگی کہ قرآن نے یہ غلطی نہیں کی۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دور کے حکمران کو فرعون اور یوسف علیہ السلام کے دور کے حکمران کو بادشاہ (ملک) کہتا ہے!''

میری یہ بات سن کر فادر کا رنگ بدل گیا۔ وہ بالکل خاموش ہوگیا۔ پھر اس نے اپنی کیفیت پر قابو پایا اور بولا: ''حیرت انگیز! ناقابل یقین! اچھا میں خود دیکھوں گا۔''

اس گفتگو کے تیسرے روز جب میں یونیورسٹی اپنے آفس پہنچا تو میری میز پر ایک خط پڑا تھا۔ میں نے اسے کھولا۔ اس میں جو کچھ لکھا تھا میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میرا خیال ہے اس عظیم یونیورسٹی میں اس سے پہلے اس طرح کی گھٹیا حرکت کسی نے نہیں کی ہوگی۔ دراصل مجھے ملنے والا خط ایک نوٹس تھا، ایک تنبیہی نوٹس۔ ہماری فیکلٹی کی انچارج نے مجھ پر الزام لگایا تھا: ''پروفیسر جیمز! انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ ناپسندیدہ قسم کے مذہبی پروپیگنڈے میں ملوث ہیں۔ بائبل کے خلاف منافرت اور قرآن کے حق میں پراپیگنڈا کررہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ موجودہ حالات (نائن الیون کے بعد) میں اس طرح کا رویہ کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اس طرح کی سرگرمیوں میں دوبارہ ملوث نہیں ہوں گے۔'' یہ نوٹس پڑھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے سوچا کہ اس قدر گھٹن کا ماحول تو شاید دنیا میں کسی

جگہ نہ ہو۔ یہ خط ہماری سوسائٹی، ہمارے علمی ماحول، ہماری اقدار سب کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ تھا۔ چنانچہ میں غصے سے اٹھا اور سیدھا ڈین (جولیانہ آرم سٹرانگ) کے پاس جا پہنچا۔

وہ مجھے دیکھ کر سپاٹ لہجے میں بولی: ''مسٹر ایڈم! آپ مجھے بتائیے کہ کیا اس وقت مسلمانوں نے دنیا کے امن کو تباہ و برباد نہیں کر دیا؟ کیا ان کی وجہ سے تمام غیر مسلم عدم تحفظ کا شکار نہیں ہو گئے؟ اس عالم میں اگر آپ ان کی مذہبی کتاب قرآن کو 'الہامی' ثابت کرنے پر مہم شروع کر دیں تو یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟''

میں نے جولیانہ کے متعلق یہ بات سن رکھی تھی کہ نائن الیون کے حادثے میں اس کا ایک بھائی ہلاک ہو گیا تھا اور اس کے بعد ظاہر ہے وہ مسلمانوں کی شدید دشمن بن چکی تھی۔ لیکن وہ ایک خاص علمی سچائی کو خوامخواہ کا ایک ایشو بنا ڈالے گی، اس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

خیر میں نے غصے سے کہا: ''مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ ردِّعمل میں آدمی کا دماغ کس قدر خراب ہو جاتا ہے، اور مجھے اس بات کا بھی اب کچھ کچھ احساس ہو رہا ہے کہ مسلمان ہم جیسے غیر مسلموں کے خلاف اتنی نفرت کیوں رکھتے ہیں!'' یہ جملے کہنے کے بعد میں نے کچھ لمحے توقف کیا اور پھر کہا: ''میڈم اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ قرآن واقعی الہامی کتاب ہے تو پھر بھی ہمیں اس کی مخالفت کرنی چاہیے؟''

وہ فوراً بولی: ''یہ تمہارا وہم ہے مسٹر جیمز! جس کتاب کے ماننے والے اس قدر تنگ نظر ہوں کہ اپنے خلاف نظریہ رکھنے والے کو قتل کرنا جائز سمجھتے ہوں وہ سچے کیسے ہو سکتے ہیں اور ان کی کتاب الہامی کیسے ہو سکتی ہے؟''

''جولیانہ! میں کم از کم آپ سے اس طرح کی جاہلانہ بات کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ کیا بائبل میں بیسیوں جگہ یہ نہیں لکھا کہ اسرائیل کے دشمنوں کو ملیا میٹ کر دو، خدا کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرو، خداوند تمہارا خدا تمہارے ساتھ ہو گا۔ اور تم یہ بات بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ ایسی باتیں قرآن اور بائبل ہی میں نہیں، قریباً قریباً دنیا کی تمام سرکردہ مذہبی کتابوں میں لکھی ہوئی مل جائیں گی!''

میری بات کے جواب میں جولیانہ نے ایک اور جاہلانہ بات کی۔ بولی: ''جیمز! بچے مت بنو، اتنی بائبل تو ہر کوئی جانتا ہے کہ وہاں اس کا حکم صرف ان لوگوں سے متعلق ہے جو اس وقت

اللہ کے پیغمبروں کے خلاف تھے اوران کوختم کر دینے کے درپے تھے۔''

''واہ کیا انصاف کی بات کی آپ نے۔ بائبل اور دوسری کتابوں میں تو اس حکم کے مخاطب پیغمبروں کے دشمن تھے، تو کیا قرآن میں اس حکم کے مخاطب اللہ کے دوست ہیں؟ کیا وہاں اس کے مخاطب اللہ کے دشمن نہیں ہو سکتے؟ کیا وہ حکم اس دور کے کافروں تک محدود نہیں ہوسکتا؟''

میری زبان سے یہ جواب سن کر جولیانہ بالکل خاموش ہوگئی اور میں خود بھی حیران تھا کہ مسلمانوں پر ہونے والے سب سے بڑے اعتراض کا یہ جواب مجھے پہلے کیوں نہیں سوجھا تھا ..... میں نے پہلے اس طرح کیوں نہ سوچا تھا..... شاید اس کی وجہ محض یہ تھی کہ اپنے حالیہ مطالعے کے دوران اتفاقاً میری نظر بائبل کے ایسے ہی احکامات پر پڑی تھی جس کا ذکر میں نے جولیانہ سے کیا تھا اور جب جولیانہ نے قرآن کے خلاف اعتراض کیا تو میرے ذہن میں اس کا جواب آ گیا۔

بہرکیف جب جولیانہ کو کوئی جواب نہ سوجھا تو وہ بولی: ''ٹھیک ہے مسٹر جیمز! اگر آپ کا یہی خیال ہے تو مجھے اس کا تحریری جواب دے دیں۔'' میں نے دل ہی دل میں جواب سوچ لیا تھا لیکن اس وقت اسے دینا مناسب نہ سمجھا اور واپس آ گیا۔

اس ساری گرما گرمی میں ایک بات تو واقعی بڑی واضح تھی وہ یہ کہ میرے ذہن میں یہ بات بڑی شدت سے پیدا ہو چکی تھی کہ قرآن لگتا ہے کہ الہامی کتاب ہے۔ ایسا ہونا بڑا فطری تھا کیونکہ آپ جب کسی سچی بات کی بلاوجہ مخالفت دیکھتے ہیں تو اس کے متعلق ہمدردی ضرور پیدا ہوتی ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ جو کتاب تاریخ کے اس باریک سے باریک فرق سے واقف ہو وہ بھلا انسانی کلام کیسے ہوسکتا ہے؟ محمد ﷺ نے اس وقت نہ مصر میں جا کر کھنڈرات دیکھے تھے نہ اس دور کے کتبے دیکھے تھے اور نہ بائبل پر وہ تحقیق کی تھی جو آج میرے جیسے لوگوں کے سامنے ہے۔ اس لیے اگر اس وقت قرآن نے حکمران مصر کے لیے فرعون کے بجائے ''ملک'' کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہے کہ قرآن واقعی کسی شخص کا کلام نہیں بلکہ ایک الہامی کتاب ہے۔ خدا واقعی باریک سے باریک فرق کا خیال رکھنے والا ہے اور معمولی سے معمولی غلطی سے بھی پاک ہے۔ ایسا کلام واقعی اسی سے صادر ہوسکتا ہے، اسی کی شان کے مطابق ہے۔

اسی سوچ کے ساتھ میں اپنے کمرے میں پہنچا تو ایک اور حیرانی میری منتظر تھی۔

فادر آگسٹس میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے: ''مسٹر جیمز! میں نے آپ کے بتائے ہوئے انکشافات پر غور بھی کیا اور ان کے متعلق پڑھا بھی ہے۔''

''تو پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے؟''

''اس کا نتیجہ تو صرف ایک ہی ہے کہ قرآن واقعی الہامی کتاب ہے..... ایسی الہامی کتاب جو بالکل محفوظ ہے۔''

میں فادر سے اس قدر حقیقت بیانی کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں ان کی سچائی پسندی پر کوئی تبصرہ کرتا۔ وہ بولے: ''میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اسلام قبول کر لوں لیکن مسلمانوں کے موجودہ رویے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا ہوں۔ بھلا ایک بے کردار اور مقہور قوم کا فرد بننا کہاں کی عقل مندی ہے؟''

فادر کی بات سن کر میرے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آئی اور میں نے وہ سارا واقعہ جو ابھی میرے ساتھ بیتا تھا انہیں سنایا۔ مجھے ملنے والا نوٹس ان کے آگے رکھا اور کہا: ''فادر! کیا یہ رویہ قابل فخر ہے؟ اگر ہمارے جیسے آزاد، جمہوریت پسند، اور حریت فکر کے حامل معاشرے اور پھر اس معاشرے کے دل یعنی اس یونیورسٹی میں ہائمن اور جولیانہ جیسے لوگ ہو سکتے ہیں اور اس طرح سوچ سکتے ہیں تو پھر قرآن کے حاملین جو صدیوں سے گھٹن کا شکار، آمریت میں محصور، غربت و جہالت کی چکی میں پسے ہوئے ہیں۔ ان کا کردار کیوں دیکھا جائے! کیوں نہ صرف حق کو سلام کیا جائے۔ برے اور بھلے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ کیا خیال ہے فادر؟''

فادر آگسٹس نے جس انداز سے مجھے دیکھا اس سے صاف ظاہر تھا اسے مجھ سے اتفاق ہے..... ہم دونوں فیصلہ کر چکے تھے۔

قرآن مجید کی تاریخ کا خلاصہ

ڈاکٹر حمید اللّٰہ

(بشکریہ خبرنامہ دیس پردیس لاہور، جولائی 2015ء)

کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے، جرمنی کے عیسائی پادریوں نے یہ سوچا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آرامی زبان میں جو انجیل تھی وہ تو اب دنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے اور یونانی سے ساری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ یونانی زبان میں انجیل کے نسخے جتنے دنیا میں پائے جاتے تھے کامل ہوں کہ جزئی، ان سب کو جمع کیا گیا اور ان کو یکجا کیا گیا۔ ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے الفاظ یہ ہیں: ''کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں'' اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے: ''ان میں سے 1/8 اہم ہیں'' انجیل کا قصہ..... غالباً اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد کچھ لوگوں کو قرآن کی متعلق حسد پیدا ہوا۔ جرمنی ہی میں میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ'' اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین دستیاب نسخے خرید کر، فوٹو لے کر جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ جب میں

1933ء میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریتل (Pretzl) پیرس آیا تھا تا کہ پیرس کی پبلک لائبریری میں قرآن مجید کے جو قدیم نسخے پائے جاتے ہیں ان کے فوٹو حاصل کرے۔ اس پروفیسر نے مجھ سے شخصاً بیان کیا کہ اس وقت (یہ 1933ء کی بات ہے) ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت، اس کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ برباد ہو گیا۔ لیکن جنگ کے شروع ہونے سے کچھ ہی پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا، وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں ملتی ہیں لیکن اختلافِ روایت ایک بھی نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتابت کی جو غلطی ایک نسخے میں ہو دوسرے نسخوں میں نہیں ہوگی۔ مثلاً فرض کیجیے ''بسم اللہ الرحیم'' میں ''الرحمٰن'' کا لفظ نہیں، لیکن یہ صرف ایک نسخے میں ہے باقی نسخے میں ایسا نہیں ہے، سب میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ اس کو ہم کتابت کی غلطی قرار دیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں کہیں کہیں سہوِ قلم یعنی کاتب کی غلطی سے ملتی ہیں لیکن اختلافِ روایت، یعنی ایک ہی فرق کئی نسخوں میں ملے، ایسا کہیں نہیں ہے۔ یہ ہے قرآن مجید کی تاریخ کا خلاصہ، جس سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ہمارا ایمان و یقین مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

(ہم ہی اسے نازل کرتے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے)

بے حس قوم کا..... ماتم

ابو فیصل محمد منظور انور

دنیائے اسلام اس وقت سنگین مشکلات سے دوچار ہے اور اسلام کے نام لیواؤں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہیں۔ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاچکا ہے۔استعماری قوتیں جن میں یہود وہنود، نصرانی قوتیں اور کفار کی طرف سے مظلوم، پسماندہ اور غریب مسلمانوں کے خلاف یلغار پورے زور شور سے جاری ہے اور روزانہ سینکڑوں افراد ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ظلم کا شکار نہتے افراد اور بے گناہ بچے، بوڑھے اور عورتیں کسی نجات دہندہ کی انتظار میں ہیں۔زیادہ تر مسلم ممالک قابل، مخلص، بہادر اور اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند قیادت سے محروم چلے آرہے ہیں۔اکثر مسلم ممالک کی مفاد پرست اور بزدل قیادتیں استعماری ایجنٹ ہیں اور صرف اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی فکر میں ہیں جبکہ اکثر مسلمان اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی جدوجہد کرنے کی بجائے کسی معجزے کے انتظار میں ہیں۔ایک طرف قتل وغارت گری کے ذریعے انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا سلسلہ جاری ہے حرّیت پسندوں اور آزادی کی تحریکوں پر دہشت گردی کا الزام لگا کر ہمارے ہی ہاتھوں سے ہمارے اپنوں کو ختم کروایا جارہا ہے اور کہیں اسلام دشمن غریب مسلمانوں پر بمباری کر کے انہیں ختم کر رہے ہیں تو تیسری طرف مسلمانوں کے نظریات تبدیل کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔ہماری اکثریت مسلمان ممالک و مسلم معاشرے میں رہتی ہیں اپنے انجام سے بے خبر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے یہ صرف نام کے مسلمان بن کر رہ گئے ہیں مغربی دنیا کی چاک و چوند تہذیب ہمارے نوجوان کو سوائے بے راہ روی، بے حیائی اور فحاشی کی

ترغیب دینے کے علاوہ اور کچھ بھی تو نہیں دے رہی جس کے باعث یہ عملی طور پر مغربی کلچر واقدار کے دلدادہ بن چکے ہیں یہ صورت حال بحیثیت مجموعی مسلمان قوم کے لیے لمحہ فکریہ ہے

وہ فریب خوردہ شاہین جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

اقبال

ہم مغربی یورپی مادر پدر آزاد معاشرے کی طرح نہیں کہ ہماری آئندہ نسل کو ہماری آنکھوں کے سامنے تباہ کیا جارہا ہو اور ہم خاموش رہیں مگر یہ سچ ہے کہ ہم واقعی خاموش ہیں۔ کیا زمانہ تھا کہ ہماری نوجوان نسل کے لیے تعمیر سیرت و کردار پر مبنی مثبت پروگرام پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پڑھنے دیکھنے کو ملتے تھے مگر آج معاملہ اُلٹ ہے اخبارات میں بھی اچھے مضامین پڑھنے کو نہیں ملتے۔ ہم عریانی وفحاشی سے مرصّع ورنگین اور بے حیائی کا تڑکا لگے ہوئے بیہودہ مضامین واشتہارات دیکھنے پر مجبور ہیں ہماری اپنی اصلی شناخت کیا ہے ہم آہستہ آہستہ بھولتے جارہے ہیں۔ جب کسی قوم کی زبان، ثقافت اور ماضی مٹادیے جاتے ہیں تو پھر اس کی شناخت بھی مٹ جاتی ہے کیونکہ یہ کسی قوم کے الگ وجود کے خاتمے کی نشانی ہوتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ فاتحین نے مغلوب قوموں کو ان کے تاریخی وثقافتی ورثہ سے محروم کرنے کے لیے کوشش کی تا کہ شکست خوردہ قوموں کا کوئی ماضی اور ان کی کوئی انفرادیت باقی نہ رہ جائے جسے بنیاد بنا کر وہ پھر کبھی اپنی شناخت کے لیے تگ ودو کرنے لگیں۔ یہ تو معلوم نہیں کہ اس وقت مسلمان اور خصوصاً پاکستانی قوم مفتوح اقوام کے کس درجے پر فائز ہیں۔ ہماری ثقافت، تہذیب اور تاریخ ہماری نظروں کے سامنے گم ہورہی ہے اور ہم بے حسی کا شکار ہو کر محکومیّت سے خوش ہورہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا نے کیبل مافیا کے ذریعے ہم سے ہماری زبان اور شناخت تک چھین لی ہے۔ کیبل نیٹ ورک کے ذریعے ایسے چینلز دکھائے جارہے ہیں جو بظاہر دلچسپ اور معلوماتی نظر آتے ہیں مگر ان کے ذریعے کفار نے ثقافتی یلغار کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اپنے نظریات اور کلچر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہمارے بچوں کے ذہنوں پر اتارا جارہا ہے۔ ایک ایسا پڑوسی ملک جہاں کی اکثریت غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی گزار رہی ہے اور جو پینے کے صاف پانی سے محروم ہے، جہاں لاکھوں بچے فٹ پاتھوں پر جنم لیتے اور وہیں مرجاتے ہیں، جہاں ایک وقت کا کھانا کم لوگوں کو میسر ہے اپنی قوم کے غریب افراد کا فکر کرنے کی بجائے اس کے کارپرداز اپنے پروگراموں، ڈراموں، فلموں اور کارٹونوں میں جو منظر پیش کررہے ہیں وہ نا صرف ہمارے لئے بلکہ پوری انسانیت کے لئے سَم قاتل

ہے۔ بھارتی و مغربی دنیا کی اس ثقافتی یلغار نے ہمارے مُسلم معاشرے کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے ہیں ان کی دیکھا دیکھی پاکستانی چینلز بھی وہی کچھ دکھا رہے ہیں جو ہماری مسلم شناخت کو ختم کر کے تباہی و بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں اس سے ہمارے عقائد و نظریات ہی نہیں تبدیل ہو رہے بلکہ ہماری اسلامی معاشرتی قدروں کو بھی پامال کیا جا رہا ہے۔ ان کے پروگرامز، فلمیں سب پیار محبت جھوٹ اور فراڈ کی کہانیوں پر مشتمل ہوتے ہیں عشق و محبت کی داستانوں کے علاوہ ڈراموں اور فلموں میں ایسے واہیات سین دکھائے جاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ ان کے اشتہار تک دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلام دشمن عناصر برائی کو ایسے انداز میں پیش کر رہے ہیں کہ نیکی کی بجائے برائی زیادہ متاثر کن نظر آتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک سازش کے تحت کیا جا رہا ہے دھوکہ دہی، مکاری، فحاشی، بے حیائی اور برائی سکھانے کی اکیڈیمیاں دن رات ہمارے گھروں میں کھلی ہوئیں ہیں اور ہم ہیں کہ سب کچھ ہضم کر چکے ہیں کہیں بھی کوئی احتجاج یا مذمت کرنے والا نظر نہیں آتا۔ لگتا ہے کہ یہ نشئی قوم بے حسی کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے جسے اپنے جسم کی ٹوٹ پھوٹ، تباہی اور ندامت کا احساس تک نہیں ہے۔

ے ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
(اقبال) خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

اس سلسلے کے ساتھ ساتھ اسلام کے ازلی دشمن یہودی خفیہ سازش کے ذریعے ہمارے نصابِ تعلیم کو تبدیل کر کے اسلام دشمن طاقتوں کی مرضی کا نصاب مرتب کر کے نافذ کیا جا چکا ہے جس میں مشاہیر اسلام اور نامور اسلامی شخصیات خصوصاً فکر اقبال کو یکسر نظر انداز کیا جا چکا ہے اس پر کچھ تعلیمی اداروں میں احتجاج ہوا مگر افسوس صد افسوس کہ اکثریت خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔ قوموں کی زندگی میں جب اس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں تو وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دی جاتی ہیں۔ ایمانداری سے بتائیں کہ جو کچھ ہم روزانہ اخبارات میں پڑھ رہے ہیں اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ہم تک پہنچ رہے ہیں ایک مسلم معاشرے کی تشکیل اور اس کے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر جو غیر اَخلاقی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس سے ہماری مستقبل کی نوجوان نسل کیا حاصل کر رہی ہے؟ اقبال کا شاہین صفت نوجوان کہاں کھو یا جا چکا ہے۔ ناچ گانے اور اسی طرح کے واہیات پروگرامز دکھا کر نوجوان نسل کو یورپی اور انڈین کلچر کا دلدادہ بنایا جا رہا ہے۔ اسلام دشمن عناصر انٹرنیٹ، موبائل فون، فیس بک اور یوٹیوب اور اس قسم کے دیگر پروگرامز کے ذریعے ایسا

گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں جس کی سابقہ اَدوار میں نظیر نہیں ملتی۔ ہم آئندہ نسل کو کیا دے کر جا رہے ہیں؟ ان کا مستقبل کیا ہے؟ کیا یہ باعمل، کامل مسلمان بن کر رہیں گے؟ اور مسلمان ہی مریں گے؟ پچھلے سالوں کے مقابلے میں حالیہ برسوں میں غیر اخلاقی اور دیگر سنگین نوعیت کے جرائم میں آئے روز ہوشربا اضافہ اسی روشن خیال قسم کی تعلیم و تربیت کا شاخسانہ ہے۔ اَخلاقی بے راہ روی کا واقعۂ قصور ہمارے حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے مگر پوری قوم لمبی تان کر سو چکی ہے اور بے حسی کا شکار ہو چکی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اٹھیے، جاگیے اور سوچیے کہ مسلمان بن کر ہی زندہ رہنا ہے اور اپنی قوم کے لیے اپنے حصے کا کام بھی کرنا ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اسلام دشمن اور ان کے ایجنٹ ہماری قومی سلامتی اور اسلامی شناخت ختم کرنے کے درپے ہے ہمیں اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو اغیار کی سازشوں سے بچانا ہے۔ اے مسلم! ایسا نہ ہو کہ تیری بے حسی کا ماتم کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے۔ اٹھ اپنے آپ کو پہچان، اپنے اسلاف کو یاد کر اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو جا۔ بے حسی کے شکنجے سے باہر نکل آ۔ اللہ پر بھروسہ اور توکل کر۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے مگر ہمارے بھولے ہوئے بچے کی صبح اور شام کے درمیان تو تقریباً 68 برسوں کا فاصلہ موجود ہے یہ دنیا ہے یا روزِ محشر ہمارا بھولا صبح کو بچہ تھا اور اب پیرانہ سالی میں قدم رکھ چکا ہے مگر ابھی تک بھولا ہی ہوا ہے اور ہم گزشتہ سات عشروں سے بھولے ہوئے ہیں۔ آیئے اپنی صفیں درست کریں اور اپنے نصب العین کی طرف راغب ہو جائیں کیونکہ ہمیں ہی تو اقوام عالم کی قیادت کا فریضہ سونپا گیا تھا مگر ہم تو اپنی حالت ہی نہیں بدل رہے دوسروں کی حالت کیا بدلیں گے اسلام دشمنوں اور اغیار کی تقلید سے کیا حاصل ہوا ہے اور آئندہ کیا حاصل ہوگا؟ اسلام دشمنوں کی دوستیاں اور اپنی دنیاوی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے ان کی تہذیب و ثقافت اپنانے سے کچھ بھی تو ملنے والا نہیں ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا:

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

حقیقتِ ایمان

مقرر: انجینئر مختار فاروقی

درج ذیل تحریر صدرِ انجمن کی ایک تقریر ہے جو ماہانہ تربیتی نشست منعقدہ کیڈٹ کالج جھنگ میں دسمبر 2013ء میں مذکورہ موضوع پر کی گئی تھی، اسے تحریر میں لاکر افادۂ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ مرتب: انجینئر عبداللہ اسماعیل

نَحْمَدُہٗ وَ نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم امَّا بَعْد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ O (15:49) صدق اللّٰہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ

وَ احْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ

عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ

محترم سامعین، عزیز طلباء! ہماری آج کی گفتگو کا عنوان ہے ''حقیقتِ ایمان''۔ ایمان کا لفظ بچے، بوڑھے، جوان ہم سب بولتے ہیں۔ اور ہم مسلمان ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ایمان ایک بہت بڑی دولت ہے اور حقیقت بھی اسی طرح ہے۔ کوئی ایسا شخص جو دین سے بہت دُور ہے مسجد

میں نہیں آتا اسے نماز بھی یاد نہیں ہے کلمہ بھی یاد نہیں ہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اگر اس کو بھی 'بے ایمان' کہہ دیا جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے گالی دی گئی ہے۔ جو آدمی نماز نہیں پڑھتا روزے نہیں رکھتا اُسے کلمہ نہیں آتا بس نام کا مسلمان ہے وہ بھی سمجھتا ہے کہ ایمان کوئی بہت بڑی دولت ہے اور یہ آدمی جو مجھے 'بے ایمان' کہہ رہا ہے سمجھ رہا ہے کہ میرے پاس 'ایمان' نہیں ہے، کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے پاس ایمان نہیں ہے۔ لڑائی ہو جائے گی تلخ کلامی ہو جائے گی۔ تو واقعتاً ایمان ایک بہت بڑی دولت ہے اور جس شخص کو ایمان میسّر ہے حقیقت میں وہ دنیا کی تمام چیزوں پر بھاری ہے وہ بہت بڑا دولت مند آدمی ہے اور جس شخص کو ایمان کی دولت میسر نہیں ہے وہ چاہے بظاہر کروڑ پتی آدمی ہو دنیا میں بہت حیثیت والا ہو لیکن حقیقت میں وہ بہت ہی قلاش، مفلس اور ایسا قابل رحم ہے جس کے پاس کوئی وسائل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اس میں ایمان کے ساتھ آدمی کامیاب ہوگا اور ایمان کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔ لہٰذا ـــــ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ولادت 571 عیسوی کی ہے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا۔ پہلی دفعہ غارِ حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ پر قرآن مجید کا وہ حصہ اُترا ہے جو قرآن مجید کے تیسویں پارے کی آیات ہیں، یہ 610ء کی بات ہے، آج ہم 2013ء میں بیٹھے ہیں چودہ سو اور کچھ سال پہلے کی بات ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ 23 سال دنیا میں حیات رہے ہیں، ان میں آپ 13 سال مکے میں رہے پھر مکے سے ہجرت کر کے مدینے آ گئے (مکہ سے مدینہ تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر فاصلہ ہے جیسے لاہور سے ملتان ہے)۔ پھر آپ ﷺ نے دس سال مدینے میں گزارے ہیں۔ جو لوگ مکے میں ایمان لائے تھے ان کا ایمان بہت اعلیٰ درجے کا ہے اور جب ایک وقت میں آ کر مکہ فتح ہو گیا تو اس کے بعد بے شمار لوگ بیک وقت ایمان لے آئے۔ مکہ میں بہت کم لوگ ایمان لاتے تھے کئی مہینوں بعد کوئی ایک آدمی ایمان لے آتا تھا جب بات اس کو سمجھ آتی تھی۔ جب سن 8ھ میں مکہ فتح ہو گیا تو قرآن مجید میں وارد ہے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ O وَ رَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا O (1-2:110)

''جب اللہ کی مدد اور فتح حاصل ہوجائے اور (اے نبی) آپ دیکھیں کہ لوگ فوج درفوج دین میں داخل ہورہے ہیں''

کبھی ایک آدمی مشکل سے ایمان لاتا تھا اور کبھی لوگ فوج درفوج ایمان لے آئے، لوگ آتے اور کہتے تھے کہ ہمارا سارا علاقہ مسلمان ہوگیا ہے، ہماری پوری برادری مسلمان ہوگئی ہے، ہمارا پورا موضع مسلمان ہوگیا ہے۔ سن 9 ہجری میں اس طرح کے حالات وواقعات تھے۔ تو قرآن مجید خود کہتا ہے کہ جو لوگ شروع شروع میں مکے میں ایمان لائے وہ بہت سوچ سمجھ کر ایمان لائے، انہوں نے ایمان کے لیے سختیاں جھیلیں ان کا ایمان بہت اعلیٰ ہے اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے ابھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا ان کا کوئی وعظ نہیں سنا ان کی کوئی تقریر نہیں سنی اور چپکے سے ایمان لے آئے ان کا ایمان خود قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ کمزور ایمان ہے۔

26 ویں پارے میں سے سورۃ الحجرات کی جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ جو مکے میں ایمان لائے اور وہ لوگ جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے ان کے ایمان میں فرق ہے تو پھر حقیقی ایمان کسے کہتے ہیں؟ اصل ایمان کیا ہے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ ہمارے ہاں بھی ایسا ہے کہ ایک آدمی کہتا ہے میں مسلمان ہوں اور عمل نہیں کرتا اور ایک آدمی مسلمان ہونے کے ساتھ عمل بھی کرتا ہے تو دونوں میں فرق کیوں واقع ہوگیا اور وہ فرق کیا ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن ان کے درمیان فرق کردیا جائے گا۔ آج ضرورت ہے کہ ہم صحیح اور حقیقی ایمان کو سمجھیں اور اس کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کریں اور پھر اللہ کے ہاں کامیاب ہوجائیں۔ نام کے مسلمان رہے تو پھر تقاضے پورے نہیں کریں گے جب تقاضے پورے نہیں کریں گے تو پھر آخرت میں اللہ کے ہاں کامیابی نہیں ہوگی۔ ہم جس کے لیے محنت اور کوشش کررہے ہیں کہ آخرت میں کامیابی اور جنت ہمیں ملے اور اللہ نے جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے ہوں وہ صرف نام کے مسلمانوں ہونے کی وجہ سے پورے نہیں ہوسکتے۔

جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں فرمایا گیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ''اصل اہل ایمان، حقیقی اہل ایمان، سچے اہل ایمان تو وہ ہیں''، الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ''جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر''، ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ''پھر اس میں شک نہیں کیا''۔ ایمان یقین کا نام ہوتا ہے،

اللہ پر ایمان اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان اور اس میں کوئی شک نہیں کیا۔ وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰه ''اور پھر انہوں نے جدوجہد (STRUGGLE) کی اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ۔ ایمان کو قبول کیا اور ایمان کے تقاضے پورے کئے دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دی اور اس کی ایک شکل ہے اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْن ''فرمایا یہ لوگ سچے ہیں'' یہ اگر دعویٰ کریں کہ ہم اہل ایمان ہیں تو یہ سچے ہیں۔ اس کے بغیر اگر کوئی ایمان کا دعویٰ کرے تو سوچنا پڑے گا کہ اس کا ایمان کا دعویٰ کس حد تک صحیح ہے۔ صحیح دعویٰ یہی ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر یقین کرے اور ایمان لائے اس میں شکوک وشبہات نہ ہوں اور جہاد کرے اپنی جان ومال کے ساتھ اللہ کے دین کے لیے۔

حقیقی ایمان کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے کچھ تفاصیل میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اُمید ہے کہ کچھ باتیں یاد رہ جائیں گی پھر زندگی میں ان شاءاللہ ان پر عمل کریں گے۔ انسان ارادہ کرلے تو وہ صحیح راستے میں پڑ جاتا ہے اور اسے ایمان کی دولت میسر آجاتی ہے۔

سب سے پہلے جو بات یاد رکھنے کی ہے کہ 'اسلام' کا لفظ بنا ہے سلامتی سے۔ جو مسلمان ہے وہ تو اپنی بھی سلامتی چاہتا ہے دوسروں کی بھی سلامتی چاہتا ہے۔ اور 'ایمان' کا لفظ بنا ہے امن سے۔ جس شخص کے اندر ایمان ہوگا اس کے اندر ایک باطنی طور پر (INTERNAL) سکون، اطمینان، امن ہوگا۔ لہٰذا اسلام کے بنیادی تقاضے ہی یہی ہیں کہ جو شخص بھی مسلمان ہوجاتا ہے اس کے ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچتی۔ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" (الحدیث) مسلمان تو ہوتا ہی وہ ہے جو بلاوجہ کسی دوسرے مسلمان کو نہ ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچاتا ہے نہ زبان سے۔ اسی طرح مومن کی بھی یہی پہچان ہے۔ ایمان کا لفظ امن سے بنا ہے۔ آپ نوجوان طلباء ہیں بہت سے لفظ اردو میں اس طرح ہیں اور عربی بھی میں اسی طرح ہیں کہ جیسے علم کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں جاننا اسی علم کے لفظ سے کئی الفاظ بن جاتے ہیں جیسے علم سے عالم ہے جاننے والا، علم سے معلوم ہے، علم سے مُعلِّم ہے جو علم سکھاتا ہے وہ مُعلِّم (ٹیچر) ہوتا ہے، متعلّم شاگرد کو کہتے ہیں جو علم سیکھ رہا ہے وہ متعلّم ہے، علم سے علاّمہ لفظ ہے جو بہت زیادہ علم رکھتا ہے وہ علامہ ہے یہ سارے الفاظ علم سے بن جاتے ہیں، کوئی علم سیکھ رہا ہے، کوئی سکھا رہا ہے اور ان کے

معنی میں علم موجود رہتا ہے۔ اسی طریقے پر امن کے لفظ سے بھی بہت سارے الفاظ بنتے ہیں۔ امن سے ایمان کا لفظ بنتا ہے امن میں ہونا۔ امن میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی ایمان لے آتا ہے وہ گویا خود بھی باطنی طور پر ایک سکون کی کیفیت محسوس کرتا ہے اور دوسرے بھی اس سے امن میں ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید کس معنی میں استعمال کرتا ہے اس کی ابھی تھوڑی سے وضاحت ہوگی تو پتا چلے گا۔ ایمان کا لفظ بہرحال امن سے بنا ہے اور جو انسان ایمان لاتا ہے وہ باطنی طور پر سکونِ قلب محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ آج کی انگریزی یا مغربی زبان میں ہم ایسے آدمی کو جو پرسکون زندگی گزار رہا ہو کہتے ہیں کہ یہ بڑا PEACE OF MIND والا آدمی ہے یعنی اس کو دماغی سکون حاصل ہے لیکن قرآن مجید اسے اطمینانِ قلب کا نام لیتا ہے دماغ سر میں ہے اور دل سینے میں ہے۔ جس آدمی کو ایمان میسر ہے اسے ایک طرح کا باطنی اور قلبی اور اندرونی سکون حاصل ہوتا ہے اور جو آدمی ایمان سے محروم ہے اس کے اندر سکون نہیں ہوسکتا اور سکون ایسی چیز ہے کہ کئی لوگ بڑے اعلیٰ گھر میں رہتے ہیں، بڑی اعلیٰ سواریاں ہیں، رونق ہے، ملازم ہیں، کاروبار ہے لیکن انھیں سکون PEACE OF MIND میسر نہیں ہے۔ تو ایمان وہ چیز ہے کہ آدمی کے پاس دنیاوی وسائل چاہے کم ہوں لیکن اگر اللہ پر یقین ہے آخرت پر یقین ہے اور قرآن پر یقین ہے تو پھر اللہ تعالیٰ دل میں بڑا سکون پیدا کر دیتا ہے کہ بظاہر لوگوں کی نگاہ میں کہ یہ تو وسائل سے بڑا محروم آدمی ہے لیکن وہ شخص اپنے طور پر بڑا مطمئن ہوگا۔ تو ایمان کا لفظ امن سے بنا ہے اور قرآن مجید اطمینانِ قلب کے الفاظ استعمال کرتا ہے جبکہ انگریزی زبان میں اور مغربی اصطلاح میں PEACE OF MIND کی اصطلاح ہے۔ دونوں میں بنیادی طور پر گہرا فرق ہے۔

ایمان کو سمجھنے کے لئے دو درجے ہیں۔ آپ میں سے بعض نوجوان جانتے ہوں گے، انہیں چھ کلمے پڑھائے جاتے ہیں، ایمان مجمل اور ایمان مُفصّل پڑھایا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے تو اس سے بعض DECLARATIONS لئے جاتے ہیں بعض باتیں کہلوائی جاتی ہیں تم مسلمان ہو رہے ہو تم اپنی زبان سے یہ بھی کہو، یہ بھی کہو، یہ بھی کہو پہلا کلمہ طیب، طیب معنی پاک لَا اِلٰـہ اِلَّا اللّٰـہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ اور کہا جاتا ہے یہ بھی کہو دوسرا کلمہ شہادت، شہادت معنی گواہی اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمّدا عبدہ ورسولہ یہ بھی

گواہی دو یہ DECLARE کرو کہ میں اللہ کو مانتا ہوں جو وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ ایمان مجمل میں یہ الفاظ ہیں: اِقرارٌ باللسان وَ تصدیقٌ بالقلب جو شخص مسلمان ہوتا ہے اس سے کہلوایا جاتا ہے کہ میں ان باتوں کو زبان سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ ہے، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، قرآن مجید ہے، جنت ہے، دوزخ ہے اور دل سے اس کو صحیح مانتا ہوں۔ زبان سے اس بات کا کہنا اور دل سے عین اسی وقت سچا جاننا یہ ایمان کا دوسرا نام ہے۔

لیکن سب جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی زبان پر جو بات ہوتی ہے دل میں بھی وہی ہوتا ہے اور کتنی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کی زبان پر کچھ اور ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور ہوتا ہے مثلاً بچہ سکول میں لیٹ پہنچے تو استاد صاحب پوچھتے ہیں کہ لیٹ کیوں آئے تو سچ بتانا مشکل ہوتا ہے زبان سے وہ اور کہے گا دل میں اور بات ہوگی یا سکول سے گھر لیٹ جائیں چھٹی 2 بجے ہوگئی اور گھر پہنچ رہا ہے 5 بجے، گھر والے پوچھیں گے کہ لیٹ کیوں آئے ہو تو زبان پر کچھ اور ہوگا اور دل میں کچھ اور ہوگا اگر دونوں ایک ہیں تو وہ بہت اچھی بات ہے سچ بتا دے گا لیکن کبھی سچی بات بتانا مشکل ہوتی ہے۔ تو ایمان اس چیز کا نام ہے کہ آدمی جب زبان سے کہہ رہا ہو کہ میں اللہ کو مانتا ہوں آخرت کو مانتا ہوں محمد ﷺ کو مانتا ہوں تو دل میں بھی وہ یقین حاصل ہو، اگر دل میں کچھ اور ہے کہ اوپر اوپر سے جان بچانے کے لئے کہہ رہا ہو تو یہ حقیقی ایمان کی کیفیت نہیں ہے۔ ایمان تو اسی چیز کا نام ہے کہ جب آدمی زبان سے کلمہ پڑھ رہا ہو تو اس کا دل بھی گواہی دے رہا ہو کہ یہی صحیح ہے زبان اور دل کی سوچ ایک ساتھ ہوتا ہے۔ تو ایک ہے اقرارٌ باللسان، زبان سے کہنا۔ دوسرا ہے تصدیقٌ بالقلب، دل سے اس کو سچا جاننا۔ یہ دونوں چیزیں مطلوب ہیں تب ایمان حقیقی بنتا ہے بیک وقت زبان سے بھی آدمی کہہ رہا ہو کہ اللہ ایک ہے اور دل بھی اسی کی گواہی دے رہا ہو۔ لیکن اگر فرق ہو جائے گا تو مسئلہ ہو جائے گا۔ لیکن دنیا میں ہماری مجبوری ہے ہم سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی جھوٹ بول دے مثلاً پوچھا جائے کہ یہ کام کس نے کیا ہے اور آدمی کہے کہ جی میں نے تو نہیں کیا چاہے اسی نے ہی کیا ہو تو اب ہمارے پاس کوئی طریقہ نہیں کہ اس کے دل میں اُتر کر دیکھ سکیں یا دل کے احساسات کا کوئی پرنٹ لے سکیں کہ اس کا دل تو یہ کہہ رہا ہے اور وہ زبان سے کہہ رہا ہے کہ میں نے نہیں کیا۔ دنیا میں کوئی طریقہ نہیں۔ یہ اللہ نے راز رکھا ہے اس کا فیصلہ

قیامت کے دن ہوگا۔ ایمان کے بارے میں بھی صورت حال یہی ہے کہ کون دل سے یہ باتیں کہہ رہا ہے کہ اللہ ہے آخرت ہے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں قرآن پاک سچی کتاب ہے اور کون اوپر اوپر سے کہہ رہا ہے۔ جو دل سے کہے گا اس کے اعمال میں فرق ہوگا جو اوپر اوپر سے کہے گا اس کی سوچ اور ہے وہ تو خانہ پُری کے لئے یا جان بچانے کے لئے کہہ رہا ہے۔

اقرارٌ باللسان اور تصدیقٌ بالقلب دونوں باتیں ہوں گی تو حقیقی ایمان ہوگا دونوں باتوں میں سے ایک نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے۔ صرف اقرار باللسان ہے تو نام کا مسلمان ہوگا جیسے آج کل بہت سارے مسلمان ہیں اور 'تصدیق بالقلب' بھی ہے تو وہ حقیقی بندۂ مومن ہوگا اور اقرارٌ باللسان کے بغیر تصدیق بالقلب بھی معتبر نہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

ایمان سے متعلق اگلی بات جو سمجھنے کی ہے کہ ایمان کو سمجھنے کے لیے CLASSIFICATION ہوتی ہے۔ جیسے سکولوں میں آپ بھی اسی طرح پڑھتے ہیں کہ کسی چیز کو سمجھانے کے لئے اس کے حصے کر دیتے ہیں CLASSIFICATION ہے کہ ایک یہ حصہ ہے ایک یہ حصہ ہے ایک یہ حصہ ہے الگ الگ بات کو سمجھا اور پھر اکٹھا کر کے نتیجہ نکال لیا کہ یہ TOPIC اس طریقے پر ہے۔ تو ایمان ایک وحدت ہے ایک ہی چیز ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لئے اس کے تین حصے کر لیتے ہیں اور تین حصوں میں بات سمجھیں گے اور پھر ان کو جمع کر لیں گے تو بات سمجھ میں آجائے گی۔ ایک ہے ''ایمان باللہ'' یعنی اللہ کو ماننا، دوسرا حصہ ایمان کا ہے ''ایمان بالآخرت'' یعنی آخرت کو ماننا اور ایمان کا تیسرا حصہ ہے ''ایمان بالرسالت'' یعنی نبیوں، فرشتوں، وحی کو ماننا۔

ایمان باللہ کیا ہے؟ آپ کبھی غور کریں۔ بلکہ قرآن مجید ہمیں دعوت دیتا ہے کہ تم اس کائنات پر غور کرو "قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ" زمین میں گھومو پھرو، حالات کو دیکھو، غور کرو، یہ دنیا کیا ہے، کس نے بنائی ہے، کب بنائی ہے اور وہ اس کا نظام کیسے چلا رہا ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔ قرآن مجید ان چیزوں کو جو ہمارے سامنے ہے آیات کہتا ہے کہ یہ نشانیاں ہیں اللہ کی۔ یہ پہاڑ اللہ کی نشانی ہیں۔ نشانی کیسے ہوتی ہے مثلاً کوئی ایک دوست دوسرے دوست کو موبائل تحفہ دے دے تو جب یہ موبائل ہاتھ میں ہوگا اسی وقت دوست یاد آجائے گا کہ یہ اس کا تحفہ ہے یہ اس کی نشانی

ہے۔اللہ تعالیٰ کی بھی اسی طرح نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ خود نظر نہیں آتے لیکن یہ پہاڑ بتاتے ہیں کہ جوان کا پیدا کرنے والا ہے وہ بہت زبردست ہستی ہے اور یہ دریا اور پہاڑ اور زمین اور سورج اور چاند سب چیزیں اسی طرح ہیں۔آپ کبھی اس کائنات پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کائنات میں پہاڑ ہیں پہاڑی علاقوں سے جو نوجوان تعلق رکھتے ہیں یا مری کی سیر کو لوگ جاتے ہیں کشمیر، سوات، گلگت وغیرہ تو اتنے اونچے پہاڑ اور بڑے بڑے پتھر دیکھ کر احساس ہوتا کہ پہاڑوں کا بنانے والا بہت طاقتور ہستی ہے اس نے اتنے موٹے موٹے پتھروں کے پہاڑوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔پتھر اتنا سخت ہوتا ہے تو اس کو بنانے والے اس سے زیادہ سخت ہوگا۔اور کبھی ایک پھول کو دیکھیں پھول ہے اس کی پتی ہے کتنی نرم و نازک چیز ہوتی ہے وہی اللہ ہے جس نے پہاڑ بنائے ہیں اور وہی اللہ ہے جس نے پھول بنایا ہے پھولوں کا بنانے والا اتنا نرم و نازک اور اتنا نفیس اور اتنا باریک بینی سے کام کرنے والا ہے کہ پھول کی پتیاں ہیں ایک طرح کا رنگ ہے وہ اللہ نے پیدا کر دی۔تو اللہ کی وہ بھی شان ہے کہ وہ پہاڑ بنا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ بھی شان ہے کہ وہ پھول بھی بناتا ہے۔تو اس کائنات پر غور و فکر کے لئے قرآن مجید نے کہا ہے

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ (190:03)

جو لوگ اس آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدلنے پر غور و فکر کرتے ہیں وہ سمجھ دار لوگ ہیں اور ان کے لئے اس میں نشانیاں ہوتی ہیں۔وہ غور کرتے ہیں تو انہیں اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے انہیں اللہ کی پہچان ہوتی ہے کہ جس نے یہ کائنات بنائی ہے وہ خود کتنا عظیم ہستی ہوگا اور خود کتنا طاقتور اور کتنا حیثیت والا اور کتنے اختیارات والا ہوگا۔تو قرآن مجید میں جو ایمان کی باتیں آئی ہیں ان کو سمجھنے کے لئے پہلا حصہ ایمان کا یہ ہے کہ اس بات پر غور کریں آپ سب متوجہ (ATTENTIVE) ہو کر اس بات پر غور کریں۔دیکھو آج ہم دنیا میں رہ رہے ہیں یہ تو 2013ء ہے اور آج کا جو ماحول ہے اس میں بہت ساری ہمیں سہولتیں حاصل ہیں موبائل فون ہے، ٹی وی ہے، ائیر کنڈیشنڈ بسیں ہیں، کمرے ہیں، ہیٹر ہے، قالین ہیں، صوفے ہیں، ریل گاڑیاں ہیں، ہوائی جہاز ہیں، آدمی چاند پر پہنچ گیا ہے۔انٹرنیٹ سے یہاں سے امریکہ ای میل سیکنڈوں میں پہنچ

جائے گی اگلے منٹ میں فون کر کے کنفرم کرلیں۔اسی طرح SMS ہے پیغام بھی بہت جلدی پہنچ رہے ہیں۔لیکن صرف پچاس سال پہلے جو کچھ آج ہمیں حاصل ہے ان میں سے بہت ساری چیزیں ہمیں میسر نہیں تھیں، موبائل نہیں تھا، کمپیوٹر نہیں تھا، اسی طرح ائیر کنڈیشنڈ بسیں نہیں تھیں، ہوائی جہاز کا سفر بھی عام نہیں تھا، کاریں بھی اتنی نہیں تھیں، ہمارے ملک میں ٹی وی عام نہیں تھا، اور آج سے دوسو سال پیچھے چلے جائیں ریل گاڑی نہیں تھی، موٹر کاریں نہیں تھیں، موٹر سائیکل نہیں تھے، ہوائی جہاز نہیں تھے، اس کے علاوہ بے شمار چیزیں نہیں تھیں ہیں آج سے صرف دوسو سال پہلے دنیا میں بادشاہ بھی گھوڑوں اور گدھوں پر سفر کرتے تھے گھڑے کا پانی پیتے تھے فریج بھی نہیں ہوتی تھی، بجلی بھی نہیں ہوتی تھی۔ پانچ سو سال پہلے غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اور بے شمار چیزیں نہیں تھیں گھڑی تک نہیں تھی۔ ہزار سال پہلے سوچیں اور بے شمار چیزیں نہیں تھیں مکان بنانے کے طریقے اور رہن سہن کے طریقے اور مشینیں نہیں تھیں۔حضور ﷺ کے زمانے میں اور بہت ساری چیزیں نہیں تھیں، اس سے اور پیچھے چلے جائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آج سے تین ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے اس میں دیکھیں تو اور بہت ساری چیزیں نہیں ہیں سادہ زندگی تھی جیسے دیہاتی زندگی ہوتی ہے۔اس سے پیچھے چلے جائیں حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے، ان کے زمانے میں غور کریں تو پتا چلے گا کہ بہت ہی سادہ زندگی تھی نہ کوئی شہر نہ سڑکیں نہ اس طرح کی دکانیں نہ اس طرح کی مارکیٹیں نہ تعمیرات نہ رہن سہن نہ اس طرح کے نفیس کپڑے۔ بالکل سادہ زندگی تھی۔اس سے اور پیچھے چلے جائیں ایک وقت میں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا دنیا میں بھیجا اور شروع شروع میں جو بھی کوئی انسانی آبادی ہوگی آپ کبھی غور کریں ان کا طرزِ زندگی کیا ہوگا؟ بہت ہی سادہ تھا، مکان بنانے کا طریقہ بھی نہیں آتا ہوگا، شاید آپ پڑھتے ہوں کہ پہلے ایک زمانہ تھا کہ انسان غاروں میں ہی رہتا تھا کپڑے بھی اس طرح بنانے نہیں آتے تھے، رہن سہن بھی اس طرح نہیں تھا۔آگ جلانے کا طریقہ بھی کبھی انسان نے سیکھا ہے ایک وقت تھا کہ آدمی کو آگ جلانی نہیں آتی تھی لیکن اس وقت بھی لوگ تھے زندگی گزارتے تھے۔اور پیچھے چلے جائیں ایک وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ابھی پیدا ہی نہیں کیا تھا آسمان تھا زمین تھی، اس زمین پر جانور بھی تھے ANIMAL LIFE بھی تھی، اور پیچھے

چلے جائیں کہ ایک وقت وہ بھی تھا کہ اللہ نے ابھی زمین و آسمان بھی پیدا نہیں کئے تھے، اللہ اللہ ہی ہے اسی نے سب کچھ پیدا کیا ہے، ایک وقت تھا بہت پہلے بہت پہلے کہ ابھی آسمان اور زمین بھی پیدا نہیں ہوئے تھے فرشتے بھی پیدا نہیں ہوئے تھے ایک اللہ وحدہ لاشریک کی ذات تھی بس۔ اس اللہ نے اس کائنات کو تن تنہا (ALONE) پیدا کر دیا اور اکیلا ہی اس سارے انتظام کو چلا رہا ہے۔

یہ ہے تصور قرآن مجید میں ایمان باللہ کا کہ ایک اللہ نے ہی اس کائنات کو پیدا کیا ہے کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں۔ صرف سمجھانے کے لئے میں کہہ رہا ہوں کہ جیسے ہم لوگ مکان بناتے ہیں تو اینٹیں، سریا، ٹی آر، مستری، مزدور اور دیگر سامان منگاؤ تب مکان بنتا ہے، اللہ نے یہ کائنات اس طرح نہیں بنائی جیسے ہم مکان بناتے ہیں، پہلے تو کچھ بھی نہیں تھا نہ اینٹیں نہ سریا کچھ بھی نہیں تھا، صرف اللہ کی ذات تھی۔ اللہ نے اس کائنات کو عدم سے وجود بخشا ہے آہستہ آہستہ پہلے جمادات بنے ہیں پھر نباتات بنے ہیں پھر حیوانات بنے ہیں پھر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ کتنا عرصہ لگا یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن انگریزی میں کہتے ہیں کہ اللہ نے EX-NIHILIO CREATION کی ہے، عدم سے وجود بخشا ہے کچھ نہیں تھا اللہ نے کلمہ ''کن'' کہا اور کائنات بننا شروع ہوگئی۔ قرآن مجید میں یہی تصور ہے

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ O (82:36)

اللہ تعالیٰ کلمہ ''کن'' کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس طرح کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوا۔ انگریزی میں صحیح لفظ ہے جو عام فہم بھی ہے۔ آج کل کے بچے انگریزی زیادہ جانتے ہیں۔ انگریزی میں کائنات کو UNIVERSE کہتے ہیں، UNI کے معنی ہوتا ہے ایک اور VERSE کے معنی ہوتے ہیں جملہ/لفظ۔ UNIVERSE کے معنی اللہ نے ایک لفظ بولا اور کائنات کی ابتدا ہوگئی یہ انگریزی کا لفظ صحیح بنا ہے کہ اللہ نے لفظ ''کن'' ایک لفظ بولا ہے اس سے کائنات کی ابتدا ہوگئی ہے اور اس کی تخلیق کا جو بھی PROCESS ہے وہ شروع ہو گیا اور پھر اگلے مرحلے آتے گئے پھر اگلے مرحلے آتے گئے۔ تو ایک ہستی ہے جس نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے بغیر کسی سے مشورہ کئے، بغیر کسی سے ڈیزائن کروائے، بغیر کوئی مستری مزدور لگائے خود اکیلے پیدا کر دیا اور اکیلے ہی اس کو چلا رہا ہے۔

آپ میں سے بہت سارے نوجوانوں کو ''آیت الکرسی'' یاد ہوگی، اس میں ہے:

لَاتَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ـــــ وَ لَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا

اس اللہ کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے۔ وہ یہ نظام رات دن چلا رہا ہے اور آسمان زمین کا نظام چلانا اس کو تھکاتا بھی نہیں ہے۔ انسان تھک جاتا ہے چھ یا آٹھ گھنٹے کام کرلے تو پھر سونا پڑتا ہے، RELAX کرنا پڑتا ہے لیکن اللہ مسلسل اس کائنات کا نظام چلا رہا ہے تھکتا نہیں ہے وہ اللہ نہ سوتا ہے نہ آرام کرتا ہے نہ تھکتا ہے نہ بیمار ہوتا ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے وہ اس کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ ایمان باللہ کا مطلب یہی ہے کہ ایک ہستی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہ اکیلے ہی اس کا انتظام چلا رہا ہے۔

آپ غور کریں کہ کتنے باقاعدگی سے یہ نظام چل رہا ہے۔ سورج ہم سے 9 کروڑ میل (14 کروڑ کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے۔ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ اس کو قریب یا دور کرسکیں گرمی ہوجائے یا سردی ہوجائے۔ لیکن یہ سورج باقاعدگی سے ہر روز طلوع ہوتا ہے۔ مسجدوں میں چارٹ لگے ہوتے ہیں کہ آج سورج اتنے بجے طلوع ہوگا اور اتنے بجے غروب ہوگا۔ یہ علاقہ جہاں ہم بیٹھے ہیں 8 دسمبر کو جتنے بجے سورج طلوع ہوا ہے پچھلے سال 8 دسمبر کو اتنے بجے ہی نکلا تھا اور آج سے دو ہزار سال پہلے، پانچ ہزار سال پہلے، بیس ہزار سال پہلے، ایک لاکھ سال پہلے بھی اتنے ہی بجے اس علاقے میں سورج نکلا تھا۔ اللہ اتنی باقاعدگی سے اتنی PUNCTUALITY سے اتنی REGULARITY سے یہ کائنات کا نظام چلا رہا ہے کہ اس میں بال برابر فرق نہیں آرہا۔ یہ اس کی قدرت، اس کی طاقت ہے اس بڑائی کا احساس ہے

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ

اس نے ہی یہ کائنات پیدا کی ہے اور اکیلے پیدا کی ہے اور اکیلے ہی اس کو چلا رہا ہے اور کوئی اس کا ساجھی نہیں، کوئی مشیر نہیں، کوئی اسسٹنٹ نہیں، کوئی ڈپٹی نہیں، کوئی مددگار (HELPER) نہیں، اکیلے ہی وہ نظام چلا رہا ہے۔ یہ ایمان باللہ ہے ہم اس اللہ کو مانتے ہیں۔ وہ کہاں ہے؟ ہم نہیں جانتے، وہ کیسا ہے؟ ہم نہیں جانتے، یہ انسان کے بس سے باہر ہے جیسے کلکولیٹر ہوتا ہے اس میں کبھی کوئی الٹا بٹن دب جائے تو ERROR کا نشان آجاتا ہے بس اسی طرح انسانی دماغ ہے

جب ہم یہ سوچنے بیٹھیں گے کہ اللہ کیسا ہے، کتنا بڑا ہے تو انسانی دماغ میں ERROR آجائے گا اس سے آگے تم سوچ نہیں سکتے یہ تمہارے بس سے باہر ہے، لیکن ہے سہی۔ ہم مسلمان یہ مانتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ایک مالک ہے ہماری نگاہیں اس کو دیکھ نہیں سکتی۔ وہ اس نظام کو چلا رہا ہے صدیوں سے کوئی تبدیلی نہیں آئی لہٰذا وہ اکیلا ہے وحدہ لاشریک ہے۔ اسلام میں یہ ایمان باللہ ہے ہم اس اللہ کو مانتے ہیں۔ اس کی شانیں ہمارے سامنے ہیں وہ زندگی دیتا ہے، دنیا میں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے اور کوئی آدمی فوت ہوگیا تو وہ اسی کے حکم سے جا رہا ہے، کسی کو عزت مل گئی، کسی کو شہرت مل گئی، کسی کو اقتدار مل گیا، کوئی وزیراعظم بن گیا، کوئی صدر بن گیا، کوئی ادھر عہدے پر چلا گیا، کوئی اُدھر عہدے پر چلا گیا، اللہ ہی کر رہا ہے۔ عزت دینا، وسائل دینا، عہدے دینا جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے اسی کے اختیار میں ہے۔

اسی طرح آپ کبھی غور کریں وہ اللہ ہمارے دل کی بات بھی جانتا ہے، اس اللہ سے ہمارا تعلق بھی ہے۔ کتنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کوئی چیز ٹوٹ گئی یا کوئی نقصان ہوگیا اب یہ کس نے کیا ہے پتا چلنا چاہئے نوکرانی یا نوکر نے یا کسی گھر کے بچے رفردنے۔ اسی طرح کبھی دفتر، سکول، کالج یا کلاس میں بھی کوئی نقصان ہوجاتا ہے تو ٹیچرز کے سامنے کلاس میں سارے لائن حاضر ہوتے ہیں اور پوچھا جاتا ہے کہ کس نے کیا بتاؤ اور پوچھ گچھ ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ ہر نوجوان کا تجربہ ہے کہ کبھی کبھی یہ ایسا ہوتا ہے کہ باری باری سب سے پوچھا جاتا ہے تو جس نے کیا ہوتا ہے وہ دل میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ اللہ میاں آج بھرم رکھ لے آج عزت رکھ لے میں بے عزتی سے بچ جاؤں تو آئندہ میں یہ کام نہیں کروں گا، وہ دل میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! آج مار پیٹ، بے عزتی، راز فاش ہونے سے بچالے تو آئندہ میں یہ کام نہیں کروں گا اور پھر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتے ہیں جان بخشی ہوجاتی ہے۔ تو مطلب کیا ہوا؟ میرا اُس اللہ سے تعلق ہے، میں دل میں کوئی بات کہوں تو وہ سنتا ہے اس کو سمجھتا بھی ہے وہ اس پر عمل درآمد بھی کروا دیتا ہے اس کے اختیار میں ہے کہ آج اس کو معاف کردو یہ وعدہ کر رہا ہے کہ میں آئندہ ایسے نہیں کروں گا۔ تو وہ اللہ جو خالق کائنات ہے وہ صرف زمین و آسمان ہی کا نظام نہیں چلا رہا وہ میرے دل کی بات بھی جانتا ہے میں کہاں ہوں وہ بھی جانتا ہے، میں کیا سوچ رہا ہوں وہ بھی جانتا ہے، مجھے مسئلہ کیا درپیش ہے وہ بھی

جانتا ہے، اس کا حل بھی جانتا ہے، اور میں اگر اس سے درخواست کروں تو وہ سن کر مجھے عزت دیتا ہے کہ چلو اس کی بات مان لیتے ہیں اس دفعہ اس کو درگزر کرتے ہیں کہ یہ وعدہ کر رہا ہے کہ آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ تو ہم ایسے اللہ کو مانتے ہیں جو ہمارے دلوں کی بات بھی جانتا ہے۔ یہ ایمان باللہ ہے، اس پر آپ کو جتنا یقین ہوگا اتنا ایمان مضبوط ہوگا۔

دوسری سوچنے کی بات جو ایمان کا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ہم نے پیچھے کی طرف سوچا ہے پانچ سو سال پہلے، ہزار سال پہلے کیا تھا۔ اب آگے کی طرف سوچیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ یہ دنیا میں کوئی آدمی نہیں بتا سکتا کہ کل کیا ہوگا، اگلے سال کیا ہوگا، سو سال بعد کیا ہوگا، دو سو سال بعد کیا ہوگا کوئی کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔ اللہ نظام چلا رہا ہے اس نے بتایا ہے۔ ہم مسلمان ہیں ہم اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کی کتاب کو مانتے ہیں وہ اللہ جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے اس نے اپنے پیغمبروں علیہم السلام کے ذریعے سے ہمیں بتایا ہے کہ آگے کیا ہوگا۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ ساری دنیا میں جتنے انسان ہیں سب ختم ہو جائیں گے۔ ابھی تو الگ الگ جا رہے ہیں آج وہ فوت ہو گیا، کل وہ فوت ہو گیا۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ THE END ہو جائے گا بس خلاص۔ اس کائنات میں جتنے انسان ہیں سارے کے سارے ختم ہو جائیں گے۔ اللہ نے انسان کو ہمیشہ کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ ہر آدمی کی ایک زندگی ہے گنتی کے چند سال بس۔ اس کائنات کو بھی ہمیشہ کے لئے پیدا نہیں کیا، اس زمین کو بھی ہمیشہ کے لئے پیدا نہیں کیا کہ یہ نظام اسی طرح چلتا رہے گا لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، جوان ہوتے رہیں گے، تعلیم حاصل کریں گے، ملازمت حاصل کریں گے، وقت گزاریں گے اور فوت ہو جائیں گے پھر اور آ جائیں گے۔ ٹھیک ہے حضرت آدم علیہ السلام سے یہ نظام چل رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تقریباً دو سو نسلیں دنیا میں آ چکی ہیں لیکن یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے جو اللہ ہی جانتا ہے کب ہوگا۔ ہر انسان کی موت ہے تو یقینی کہ آنی ہے لیکن اللہ نے بتایا نہیں ہے کہ کب آئے گی۔ اسی طرح اس کائنات کو کب ختم کرنا ہے اللہ نے بتایا نہیں ہے لیکن وہ وقت آنے والا ہے کہ جب اس کائنات میں کوئی ایسی صورت حال پیدا ہوگی کہ تمام انسان ختم ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دیں گے۔ جانور مثلاً گدھا یا کتا یا شیر وغیرہ مر جائے تو اسے زندہ کر کے جنت دوزخ نہیں

دی جائے گی ،لیکن انسان جتنے ہیں وہ سب دوبارہ زندہ کر دیے جائیں گے، اس کو ہم قیامت کہتے ہیں اور تمام انسانوں سے پوری زندگی کا حساب کتاب لے لیا جائے گا۔ جو کچھ ہم اس دنیا میں کر رہے ہیں وہ کہیں ریکارڈ ہو رہا ہے اس کی کوئی ویڈیو بن رہی ہے، ہر چیز سنبھال کر رکھی جا رہی ہے اور اس سب کو پیش کر کے ہر انسان کی پیشی ہوگی سوال جواب ہوگا اس کا نتیجہ ہوگا اور جو لوگ ایک اچھی زندگی گزاریں گے خدمتِ خلق کریں گے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں گے نقصان نہیں کریں گے ان کے لئے ایک اچھا بدلہ ہوگا۔ جو یہاں دوسروں کا نقصان کریں گے دوسروں کو پریشان کریں گے، دوسروں کو ذلیل کریں گے اور دوسروں کا حق ماریں گے، گالیاں دیں گے، بدتمیزی کریں گے ان کے لئے اُس وقت ایک بُرا انجام ہوگا۔

یہ کوئی آدمی اپنی عقل سے نہیں نکال سکتا کہ مرنے کے بعد یہ کچھ ہوگا۔ کوئی فلسفی نہیں بتا سکتا۔ اسی لئے جو غیر مسلم ہیں وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں۔ دنیا میں اس وقت انسانوں کی سات سو کروڑ (سات ارب) سے زیادہ آبادی ہے، ان میں سے ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے، ایک سو پچاس کروڑ (ڈیڑھ ارب) تقریباً مسلمان ہیں۔ جو غیر مسلم ہیں وہ تو آخرت کو مانتے ہی نہیں وہ سمجھتے ہیں جیسے گدھا مر گیا تو مر گیا، اسی طرح تم بھی عیش کرو جو چاہو کھاؤ جو چاہو پیو جو چاہو کرو کوئی پوچھنے والا نہیں، مر گئے تو ختم ہو گئے۔ لیکن الحمدللہ ہم مسلمان ہیں ہم یہ مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہوگی اور حساب کتاب ہوگا اور اس کا نتیجہ نکلے گا یا جنت یا دوزخ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیوں حساب لے گا؟ جانوروں سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، انسانوں سے کیوں حساب ہوگا؟ یہ اس لئے ہے کہ جانور اور انسان میں فرق بہت سارے فرق ہیں کچھ تو موٹے موٹے ہیں ہر ایک جانتا ہے مثلاً جانوروں کے لئے کوئی لباس نہیں کوئی گدھا کوئی گھوڑا کوئی شیر لباس میں ملبوس نہیں ہوتا، انسان کے لئے لباس ہے ہر آدمی لباس پہنتا ہے کافر بھی۔ کوئی تھوڑا کوئی زیادہ بہرحال لباس کے بغیر انسان کا تصور نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جانوروں میں رشتوں کی کوئی تمیز نہیں مرغی کے چوزے کو ماں باپ کا کوئی احساس نہیں ہوتا کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی، جبکہ انسانوں میں اس کا بہت زیادہ احساس ہے۔ انسان کا کوئی دوست ہے دوست کو کوئی تکلیف پہنچائے تو آدمی کو غیرت آجاتی ہے اور اس کے لیے لڑ جاتا ہے جان دے دیتا ہے، بھائی،

والد، والدہ کی طرف سے بدلہ لیتا ہے، غیرت کے قتل ہو جاتے ہیں عزت پر جان دے دیتے ہیں آدمی میں احساس ہے۔ پھر جانوروں میں کوئی اچھائی برائی کا احساس نہیں ہے وہ مالک کے کھیت سے چارہ کھا رہا ہے یا دوسرے کے کھیت سے کھا رہا ہے اسے احساس نہیں ہوگا وہ چوری کا چارہ کھا رہا ہے یا اس کا مالک خرید کے لایا ہے دونوں اس کے لیے برابر ہیں۔ جبکہ انسان کے لئے یہ فرق ہے انسان کے اندر دل میں اللہ نے ایک تمیز ڈالی ہے کوئی احساس کوئی انڈیکیٹر ہے کہ آدمی سچ بولے تو اور طرح کی بتی جلتی ہے اور جھوٹ بول دے تو اور طرح کا احساس ہوتا ہے جسے انگریزی میں کہتے GUILTY CONSCIOUS۔ آدمی کوئی اچھا کام کرے، کسی غریب کی مدد کر دے کسی تکلیف میں مبتلا شخص کی تکلیف رفع کر دے کوئی زخمی پڑا ہے اس کو جلدی سے ہسپتال پہنچوا دے تو اس کو اندر سے شاباش ملے گی کوئی اور جانے یا نہ جانے اندر سے آپ کو شاباش ملے گی کہ بہت اچھا کام کر دیا اور کوئی غلط کام کر دے تو اسے اندر سے احساس ہوتا ہے کہ یہ کام نہیں کرنا چاہئے تھا آدمی پریشان ہو جاتا ہے جو آدمی غلط کام کرتا ہے اس کو اور کوئی سزا ملے نہ ملے وہ GUILTY CONSCIOUS محسوس کرتا ہے اس کے اندر ایک چور ہوتا ہے جو اسے ہر وقت کاٹتا رہتا ہے تم نے یہ کیا کر دیا تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا رات کو نیند نہیں آتی۔ یہ جو نیکی بدی کا ایک احساس ہے، ہمارا دین یہی کہتا ہے کہ یہ اللہ نے ہر انسان کے دل میں IN BUILT رکھا ہے وہ چاہے امریکہ میں پیدا ہو، یا جاپان میں، یا چین میں، یا انڈیا میں، یا پاکستان میں، بلوچستان میں، کراچی میں، پنجاب میں، پشاور، جہاں کہیں کا انسان ہے تو اس کے اندر یہ چیز IN BUILT موجود ہے کہ سچ بولنا اچھی بات ہے، والدین کی خدمت کرنا اچھی بات ہے، بڑوں کا ادب کرنا اچھی بات ہے، خدمت خلق کرنا اچھی بات ہے اور ہر انسان کے دل میں ہے کہ چوری کرنا بری بات ہے، جھوٹ بولنا بری بات ہے، بد یانتی کرنا بری بات ہے، کسی کو گالی دینا بری بات ہے، کم تولنا بری بات ہے۔ ہر بچہ یہ فطرت لے کر آتا ہے۔ جھوٹ بولنا، کم تولنا، ملاوٹ کرنا، دو نمبر چیز بیچ دینا ایسی برائیاں ہیں کہ ساری دنیا میں ان کو SOCIAL EVILS شمار کیا جاتا ہے۔ ساری دنیا میں اس کی ERADICATION ہے یعنی انسداد کے قانون ہیں ضابطے ہیں محکمے ہیں کہ کم تولنا غلط بات ہے تول صحیح ملنا چاہئے یہ ناپ تول کے پیمانے صحیح ہونے چاہئیں پٹرول صحیح ملنا چاہیے اور

میٹر خراب نہیں ہونا چاہئے ہر چیز کی چیکنگ کے باقاعدہ محکمے ہیں سزائیں مقرر ہیں اس لئے کہ فطرت انسانی ہے۔تو انسان کو اللہ نے نیکی اور بدی کی تمیز دی ہے اور جب بچہ بالغ ہوتا ہے تو سولہ یا سترہ سال کی عمر میں یہ احساس بڑا ہی تیز (SHARP) ہوتا ہے کہ یہ کام صحیح ہے یہ کام غلط ہے یہ ہونا چاہئے یہ نہیں ہونا چاہئے چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں کہ یہ میرا حق ہے یہ میرا حق نہیں ہے کھیل میں باری زبردستی کوئی دوسرا لے لے وہ کہتا ہے بے ایمانی ہوگئی ہے میری باری تھی اور میری باری نہیں دی گئی تو بڑے ہو کر بھی یہی احساس ہوتا ہے لیکن آدمی بڑا ہو کر مفاد پرست ہو جاتا ہے، دیگر باتیں غالب آجاتی ہیں ورنہ احساس ہر آدمی کے اندر ہوتا ہے۔

قیامت کے دن جو آپ کا اور میرا حساب ہونا ہے وہ انہی باتوں کو پوچھا جانا ہے کہ تمہارا دل بتاتا رہتا تھا کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے یہ تمہارا سارا نامہ اعمال جھوٹ سے بھرا ہوا کیوں ہے؟ کتنے ہی صفحے بھرے ہوئے ہیں جھوٹ جھوٹ جھوٹ اور جس نے اتنے زیادہ جھوٹ بولے ہوں گے وہ اس کا جواب نہیں دے سکے گا EXPLAINATION نہیں دے سکے گا، لہٰذا پکڑا جائے گا۔ تو آخرت میں اس چیز کا حساب کتاب ہونے والا ہے۔انسان کے اندر ایک MORAL LAW ہے ایک CONSCIENCE ہے ایک ضمیر ہے وہ انسان کو احساس دلاتا رہتا ہے، لہٰذا اس کے مطابق پوچھا جانا ہے اصلاً ہر آدمی اللہ کے ہاں جواب دہ ہے جو شخص بھی انسان ہے اور انسان کی شکل وصورت والا ہے بس وہ آخرت میں جواب دہ ہے، آدمی اپنی مرضی سے نہیں بنا کہ مجھے انسان بنا دیا جائے سیّد کے گھر پیدا کر دیا جائے فلاں علاقے میں پیدا کر دیا جائے یہ اللہ نے ہی فیصلہ کیا ہے کہ یہ بچہ وہاں پیدا ہوگا۔انسان کو بھی اللہ نے بنا دیا ہے۔

(جاری ہے)

اعتذار قارئین کرام! حکمت بالغہ اگست 2015ء کے شمارے کے صفحہ 62 کے شروع میں درج ذیل ایک سطر شامل ہونے سے رہ گئی تھی، اس کا اضافہ فرمالیں۔
چلنے والے ادارے کو مزید ترقی دے۔تازہ ترین کاوش ''درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں''

تقریب تقسیم اسناد

30واں قرآن فہمی کورس

(25 مئی تا 14 جون 2015ء)

رپورٹ : مفتی عطاء الرحمٰن

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی جھنگ میں 30واں قرآن فہمی کورس 25 مئی 2015ء کو شروع ہوا جس میں 9 طلبا نے کل وقتی حصہ لیا اور 2 طلباء جز وقتی شریک ہوئے۔ اس کورس میں شرکاء کو مطالعہ قرآن مجید (منتخب نصاب)، مطالعہ حدیث (منتخب نصاب)، تاریخ اسلام، کلامِ اقبال اور عربی گرائمر کی تعلیم دی گئی۔ اس کورس میں تدریس کے فرائض جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب، جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب، جناب انجینئر عبداللہ اسماعیل صاحب اور راقم نے ادا کیے۔ اس نصابی مواد کے علاوہ بھی شرکاء کو وڈیو خطابات، تجوید اور دیگر ہم نصابی سرگرمیوں سے استفادہ کا موقع دیا گیا۔ اس 30ویں قرآن فہمی کورس کی اختتامی نشست 14 جون 2015ء، بروز اتوار، دن 11:00 بجے قرآن اکیڈمی جھنگ کے لیکچر ہال میں منعقد ہوئی۔ جس کے مہمان خصوصی تھے جناب فضل الرحمٰن جوئیہ صاحب ایڈووکیٹ (سابق صدر ڈسٹرکٹ بار جھنگ)۔ نقابت کے فرائض انجام دے رہے تھے معروف صحافی کالم نگار جناب حاجی منظور انور صاحب۔ تقریب کا آغاز سورۃ آل عمران کی آیات 102 تا 104 کی تلاوت اور ترجمہ سے کیا گیا۔ پھر جناب جواد عمر صاحب نے علامہ اقبال کا نعتیہ کلام ''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' اپنی دلکش آواز میں پیش کیا۔ اس کے بعد انجمن کے ناظم اعلیٰ جناب عبدالمجید صاحب نے ''کورس کا تعارف'' کے عنوان سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ انجمن خدام

القرآن جھنگ اپنے قیام کے دن سے ہی جدید تعلیم یافتہ حضرات میں قرآنی علوم کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہے۔ انجمن کا قیام 1998ء میں ہوا، انجمن کی رجسٹریشن 2002ء میں ہوئی، اور 2003ء قرآن اکیڈمی کی تعمیر کا آغاز ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں ایک مرکز میسر آ گیا۔ اس سے قبل بھی انجمن کے زیر اہتمام دروسِ قرآن، عربی کلاسز اور ترجمۃ القرآن کلاسز کا انعقاد متفرق مقامات پر کیا جاتا رہا تھا لیکن قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے بعد سے الحمدللہ ہر سال باقاعدگی سے قرآن فہمی کورس کا انعقاد ہو رہا ہے اور اب تک 29 کورس منعقد ہو چکے ہیں جن میں ملک بھر سے طلباء، کاروباری، ملازمت پیشہ، جوان اور بڑی عمر کے حضرات شریک ہوئے ہیں اور اب تک تقریباً 460 حضرات اس کورس سے استفادہ کر چکے ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ ہر سال تعطیلاتِ گرما میں تین عدد قرآن فہمی کورس کے انعقاد کا اہتمام کیا جاتا ہے اور یہ کورس پچیس روزہ اور کل وقتی ہوتا ہے اور اس میں شریک ہونے والے حضرات کے قیام و طعام کے تمام اخراجات انجمن برداشت کرتی ہے اور کورس کے ضمن میں طلباء سے کسی فیس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

ان کے بعد کورس کے شرکاء میں سے جناب رب نواز اور جناب منیر احمد سیال نے اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ اس کورس میں شریک ہو کر دین سے متعلق ایسی باتیں ہمارے علم میں آئیں ہیں جو ہم پہلے نہیں جانتے تھے اور ہمارے اندر ایمانی و عملی جذبات بھی بیدار ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس کورس کی افادیت کو بھی بہت سراہا اور قرآن اکیڈمی میں رہائش اور طعام کے انتظامات پر بھی خوشی کا اظہار کیا اور اس کورس کے انعقاد پر جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب اور اکیڈمی انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا۔

ان کے بعد نقیب مجلس نے مہمانِ خصوصی جناب فضل الرحمٰن جوئیہ صاحب کو خطاب کی دعوت دی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی اکرم ﷺ پر درود اور انتظامیہ کی دعوت کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''تم میں ''بہترین'' (یعنی سب سے بہتر) لوگ وہ ہیں جو قرآن مجید کو سیکھیں اور سکھائیں''، اور آج کا دور ایسا ہے کہ قرآن مجید کو سیکھنے اور سکھانے میں لوگ دلچسپی نہیں لیتے۔ ان حالات میں قرآن فہمی کے لیے اوقات فارغ کرنے والے حضرات بہت ہی زیادہ تعریف کے لائق ہیں۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم

فرقہ واریت سے بالاتر ہوکر قرآن مجید کو اپنا رہنما بنائیں۔ اور جس طرح نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دور میں دارِاَرقم میں قیام پذیر ہوکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو تیار کیا اور پھر اس جماعت نے اللہ کے دین کو سرزمین عرب میں تمام ادیان پر غالب کر دیا۔ آج بھی اسی نہج پر ایسی ہی جماعت کی ضرورت ہے جو اس کتابِ ہدایت کو اپنا مشعل بنا کر اللہ کے دین کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ انھوں نے شرکاء کو قرآن مجید سمجھ کر پڑھنے کی ترغیب دی کیونکہ سمجھ کر پڑھنے سے ہی اس سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے۔

ان کے بعد نقیب مجلس نے صدر انجمن جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب کو اختتامی کلمات ادا کرنے کی دعوت دی۔ فاروقی صاحب نے اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہم اسی کی توفیق سے یہ کورس منعقد کر پائے ہیں اور انھوں نے شرکائے کورس کا بھی شکریہ ادا کیا کہ اگر وہ اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر نہ آتے تو یہ کورس کیسے منعقد ہوتا اور انھوں نے طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ کورس کرنے کے بعد آپ حضرات کی زندگی میں بہتر تبدیلی نمایاں ہونی چاہیے۔ آپ لوگ ایک طرح سے ہمارے سفیر بن کر جارہے ہیں اگر آپ میں بہتر تبدیلی ہوئی تو آپ کا اپنا فائدہ تو ہوگا ہی اس کے ساتھ ہمارے بارے میں بھی لوگوں میں اچھا تأثر پیدا ہوگا۔

ان کے بعد مہمانِ خصوصی جناب فضل الرحمٰن جوئیہ صاحب اور انجینئر مختار فاروقی صاحب نے طلباء میں اسناد اور انعامات تقسیم کیے۔ اور فاروقی صاحب نے مہمانِ خصوصی کو مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات کا ہدیہ پیش کیا۔

آخر میں نقیب مجلس نے مہمانِ خصوصی اور تمام شرکاء اور انتظامیہ قرآن اکیڈمی خصوصاً ملک نذر حسین صاحب کا شکریہ ادا کیا اور جناب انجینئر عبداللہ اسماعیل صاحب سے دُعا کرانے کی دعوت دی۔ دعا کے بعد تمام شرکاء کے لیے ٹھنڈا مشروب پیش کیا گیا۔ اور الحمدللہ قرآن اکیڈمی جھنگ میں منعقد ہونے والا 30واں قرآن فہمی کورس اختتام پذیر ہوا اور طلباء نے کھانا تناول کیا اور نماز ظہر ادا کر کے اپنے گھروں کے لیے روانہ ہوگئے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

تبصر وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

روح الامین کی معیت میں

کاروانِ نبوت

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر تسنیم احمد

مکتبہ دعوۃ الحق، ایچ۔4، ارم ہائیٹس، گلستانِ جوہر بلاک 13، کراچی 75290

زیر تبصرہ کتاب سیرت النبی ﷺ پر زیر تکمیل کثیر الاجزاء پراجیکٹ کا پہلا جز ہے۔ جبکہ آنے والے اجزاء میں مکی اور مدنی دور حیات کے بقیہ تفصیلی واقعات ہوں گے۔ صاحب تصنیف کے ہاں رحمت عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کی انقلاب آفریں داستان اور نزولِ قرآن کا باہم گہرا رشتہ ہے۔ نزولِ قرآن کی زمانی ترتیب (CHRONOLOGICAL) کے اعتبار سے سیرت سرورِ دو عالم ﷺ پر مساعی جمیلہ کا جدّت طراز یہ ایسا مسحور کن انداز ہے۔ جس سے احیائے دین کی تحریکات کے علمبرداروں کے قلوب واذہان میں تفکر وتدبر کی نئی لہریں یقیناً اجاگر کی جاسکتی ہیں۔ جدید تحقیقی اسالیب اور عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سیرت سرور عالم ﷺ کے واقعات کو جدید ترتیب میں مرتب کرنے کے پس منظر میں صاحب تصنیف کی صرف ایک اُمنگ کارفرما ہے کہ اُمت مسلمہ میں غلبہ واقامت دین کے جذبات کو دوبارہ نُمو حاصل ہو۔ زیر تبصرہ کتاب سیرت کے لٹریچر میں ایک حسین اضافہ اور تدریس ومطالعہ سیرت النبی ﷺ کے اداروں کے لیے نایاب تحفہ ہے۔ پیپر بیک جلد میں طباعت کے اعلیٰ معیار کی حامل یہ کتاب تمام کتب خانوں کی زینت بننے کے لائق ہے۔

قرض کے فضائل
مسائل اور احکام

مؤلف: مولانا منور حسین

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ، کے پی کے

گو معاشرہ میں سود جیسے ناسور کے خاتمہ کی مصلحین اُمت کی نہایت قابل قدر تحریریں وجود میں آئیں لیکن ایک قرض تھا جو مؤلف نے زیر تبصرہ کتاب لکھ کرا تار دیا ہے۔ قرونِ اُولیٰ میں جب قرض لینے اور اس کی بحسن ادائیگی میں مؤمن مستعد تھا تو سودی لین دین ناپید تھا۔ جیسے جیسے یہ جذبہ کم ہوتا چلا گیا تو یہود و ہنود کی سودی بنک کاری و ساہوکاری معرض وجود میں آتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آج ہر شعبۂ حیات اور ہر مسلم کی رگ و پے میں سودی لعنت یا اس کا غبار ایسے سرایت کر چکا ہے جیسا کہ نبوی ﷺ پیشگوئیوں میں بھی آچکا ہے۔ القاسم اکیڈمی کا یہ اعزاز ہے کہ وہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں تصنیف و تالیف اور اشاعت کے ذریعے اصلاح و فلاح کے کاموں میں پیش پیش ہے۔ زیر تبصرہ کتاب سود خور مہاجنوں کے شکنجوں میں کسی سسکتی انسانیت اور سودی قرضوں میں دبی زندہ لاشوں خصوصاً پاکستانیوں اور شمالی علاقہ جات کے مکینوں کے لیے ایک تازہ ہوا کا جھونکا اور نوید جاں فزاء ہے۔ اگرچہ پاکستان میں ''اخوّت'' اور دیگر ایسے اداروں میں غیر سودی قرضوں کا رواج فروغ پا رہا ہے۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ قرض کی ایسی عملی تحریک برپا کی جائے جیسا کہ مولف نے اپنی کتاب کے 65 تا 67 (بخاری 1/305 کتاب الکفالہ) پر ایک معجزاتی واقعہ درج کیا ہے۔ کیا ہی بہتر ہو کہ اغنیاء کی طرف سے ایسے اشتہارات جس میں ضرورتمندوں کو بلاسود قرض کی سہولتیں میسر ہوں عوام میں شائع کیے جائیں اور قرض کی ادائیگی کی ترغیب اور عدم ادائیگی کی ترہیب کے بارے میں دینی طبقہ کی طرف سے عوام الناس میں ایسے تربیتی پروگرام منعقد ہوں تاکہ بلاسود قرض کے پروگرام جاری و ساری رکھے جاسکیں۔ ممدوحِ ملت اسلامیہ پاکستان حضرت علامہ اقبال کے جس طرح سود کی شناعت اور 'قرضِ حسنہ' کا ذکر کیا ہے وہ بھی نظر میں رہے۔ 'اَلفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّم' کا محاورہ مسلمان اہل علم نے ایسے ہی موقعوں کے لیے بنایا ہے

از ربا آخر چہ می زاید ؟ فتن　　　کس نہ داند لذتِ قرضِ حسن

اگر چہ زیرتبصرہ کتاب ہرمسلمان کے لیےاہم ہے تاہم بلاسودقرض دینے والےاداروں اورافراد کے لیےایک دستورالعمل ہے۔ یہ کتاب یقیناً کتب خانوں کی اشدضرورت بھی ہے۔

سفرنامہ دہلی

مؤلف: مولاناشفیق احمدسلیم ملکانوی

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد،نوشہرہ، کے پی کے

اصناف ادب میں سفرنامہ کی ایک قدیم تاریخ ہے۔ بلکہ عہدنامہ قدیم و جدید (BIBLE) کا آغاز اَسفارخمسہ سے ہی ہوتا ہے جسےتورات بھی کہا جاتا ہے۔سفرنامہ ایک ایسی داستان ہے جس میں جغرافیائی حالات و واقعات، مشاہدات و تاثرات اور آثار ونوادرات کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کیا جاتا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب سفرنامہ دہلی داستانِ بلاکشاں نہیں بلکہ ایسا ادبی اور تحقیقی سفرنامہ ہے جو دل ودماغ پر نقش ہوجانے والی معطر یادوں سے لبریز ہے۔اور عام سفرناموں کے برعکس اس کے آخر میں دی گئی کتابیات سے واضح ہے کہ متنی مواد تحقیقی بنیادوں پر استوار ہے۔دلی کے بارے میں میرتقی میؔر نے کہا تھا:　　　ے　دلی جوایک شہرتھا عالم میں انتخاب

مولف نے بھی اپنی کتاب کا آغاز ایسے کیا ہے: ’’سچی بات ہے کہ دہلی کے لیے دل میں بہت چاہ تھی‘‘ اوراس کے بعد وہ مختلف تاریخی مقامات جس میں مزارات وخانقاہیں، روحانی چشموں اورعلمی مراکز کے تذکروں اوراہل علم سے بالمشافہ ملاقاتوں کے احوال کونہایت جاذبیت اور جدت طرز ایسے دلنشیں پیرائیوں میں بیان کرتے ہیں جس میں ادبی حلاوت کے ساتھ ساتھ طرزِ بیان کی نغمگی قارئین کومسحور کردیتی ہے۔ان قلبی واردات کا سلسلہ وارتذکرہ پہلے ’’القاسم‘‘ میں چھپتا رہا۔اوراب پہلی مرتبہ کتابی صورت میں اہل علم کے ہاتھوں میں ہے۔اردوادب کے سفرناموں میں یہ ایک خوبصورت اضافہ اورکتب خانوں کی زینت بننے کے لائق ہے۔

نعت رنگ کے پچیس شمارے

ایک اجمالی تعارف

تعارف نگار: ڈاکٹر شہزاد احمد

ناشر: نعت ریسرچ سینٹر، B-306 بلاک 14، گلستان جوہر، کراچی

ادبی دنیا میں نعتیہ ادب ایک اعلیٰ شان رکھتا ہے۔ اور نعت رنگ کراچی زیر ادارت صبیح رحمانی جب اپریل 1995ء میں منصۂ شہود پر آیا تو اس ادب کی کہکشائیں اور بھی وسعت پذیر ہوتی چلی گئیں۔ لہٰذا اس کا جب پچیسواں شمارہ منظر عام پر آیا تو اس کے مدیر صبیح رحمانی کے تخلیقی ذہن میں ان شماروں کی ایک باقاعدہ جامع فہرست مرتب کرنے کی ضرورت کے داعیہ نے جنم لیا تو اس فہرست سازی کے لیے قرعہ فال ڈاکٹر شہزاد احمد کے نام نکلا جنہیں ''اردو نعت پاکستان میں'' کے عنوان پر تحقیقی مقالہ پیش کرنے پر جامعہ کراچی کے شعبہ معارف اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کی سند بھی عطا ہو چکی ہے۔ جنہیں نعتیہ ادب کی فہرست سازی میں یدطولیٰ حاصل ہے۔ ان کے تحقیقی مقالے میں بھی 166 صفحات پر مشتمل ایک فہرست موجود ہے۔ زیر تبصرہ کتابچہ نعت پر تحقیق کنندگان اور نعتیہ ادب کے شائقین کے لیے ایک کارآمد دستاویز ہے۔ نعت ریسرچ سینٹروں کے لیے یہ فہرست محققین کی معلوماتی رہنما ہے۔ جبکہ ذخیرہ ہائے نعتیہ ادب میں ایک خوبصورت ایسا اضافہ جو تمام تحقیقی کتب خانوں کے حوالہ جاتی مواد کے لیے ناگزیر ہے۔

اعتذار: ایک کتاب کی تبصرہ کے لیے دو کاپیاں موصول ہوئی ہیں۔ عنوان دلچسپ اور پسندیدہ ہونے کے باجود ہم اس کتاب پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں کہ اس کتاب پر پرنٹ لائن نہیں ہے (یعنی پریس اور شائع کنندہ کا پورا پتہ موجود نہیں)۔ بھیجنے والے صاحب اگر ایڈریس دے دیں تو ہم یہ کتب واپس ارسال کرنے کو تیار ہیں۔ (ادارہ)

تہذیب وسیاست

(ماہرؔالقادری)

نازک ورقِ گل سے ہیں سائنس کے آلات
سائنس کے قبضہ میں جمادات و نباتات

کیا بات ہے اک دل کو بھی روشن نہیں کرتے
سائنس کی تہذیب کے افکار و مقالات

سائنس کے فتنوں سے ہے عالم میں تلاطم
آمادۂ فریاد ہے خاموشیِ ذرّات

اللہ رے! سائنس کی دانش کے شگوفے
شرمندہ ہیں چنگیز و ہلاکو کی روایات

اس آنکھ سے پوچھو کہ جو تہذیب نگر ہے
اُٹھتے ہیں حجابات کہ گرتے ہیں حجابات

کیوں عظمتِ مغرب پہ ہے سکرات کا عالم
سنتے تھے کہ یورپ کی ہے چٹکی میں کرامات

ہے اس بت کافر کی نگاہوں کا کرشمہ
اندلس کی ہو شورش کہ فلسطین کے حالات

مغرب کو روا ہر نئے آشوب کی تخلیق
مشرق کے لیے جرم تمدن کی روایات

ہر بات میں اک پیچ، ہر اقدام میں الجھاؤ
گویا کہ مقرر ہیں سیاست کے اشارات

ہے نام اس آئین کا جمہور کا آئین
مقبول نہیں جس میں غلاموں کی شکایات

اس دل سے یہ بہتر ہے کہ سینہ میں ہو پتھر
جس دل کی ہو معراج فرنگی کی ملاقات

(بشکریہ: ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور، شمارہ 23، جون 2015ء)

فرمانِ رسالت ﷺ	قربانی کی فضیلت

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ: قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰـهِ مَـا هٰـذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ قَالُوا: فَمَا لَنَا فِيهَـا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعرَةٍ، حَسَنَةٌ، قَالُوا: فَالصُّوفُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: بِكُلِّ شَعرَةٍ مِنَ الصُّوفِ، حَسَنَةٌ (ابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ: اے اللہ کے رسول! اس قربانی میں ہمارے لیے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (جانور کے) ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی (کا ثواب)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! پھر اُون (کا کیا حساب ہے)؟ آپ نے فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا عَـمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلاً أَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، مِنْ هِـرَاقَةِ دَمٍ، وَاِنَّـهُ لَيَـأْتِـى يَوْمَ الْقِيَـامَةِ، بِقُـرُونِهَـا، وَأَظْلاَفِهَـا، وَأَشْـعَـارِهَـا، وَاِنَّ الـدَّمَ، لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ، فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا (ابن ماجہ)

"قربانی کے دن، ابن آدم کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اللہ کو جانور ذبح کرنے سے زیادہ پسند ہو۔ اور قیامت کے دن یہ (قربان کیا ہوا جانور) اپنے سینگوں، اپنے کُھروں اور اپنے بالوں کو لے کر آئے گا (یعنی انسان کے اعمال کے ترازو میں ان چیزوں کو بھی رکھا جائے گا) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا تم کھلے دل سے قربانی کرو۔"

الحمدللہ

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

کے زیراہتمام مطبوعات کا سلسلہ جاری ہے

سلسلۂ مطبوعات نمبر 26

درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں

شائع ہوچکی ہے

☆ 72 صفحات ☆ کارڈ جلد ☆ قیمت:120 روپے

البلاغ فاؤنڈیشن، سکولوں اور کالج کے طلباء اور قرآن اکیڈمیز میں زیرتعلیم

حضرات کے لیے 50% فیصد خصوصی رعایت (علاوہ ڈاک خرچ)

(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

نومبر 2015ء

ان شاءاللہ

ماہنامہ حکمت بالغہ

عنقریب ایک خصوصی اشاعت

کا اہتمام کر رہا ہے

جس کا عنوان ہے:

فکرِ اقبال یا حکمتِ اقبال

ہی کا دوسرا نام

نظریۂ پاکستان

ہے

اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لیے قلمی تعاون فرمائیں۔ نیز موضوع سے متعلق تراشے، حوالہ جات اور مضامین ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں

(ادارہ)

ذوالحجہ کے دس دنوں کی فضیلت

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:
مَا مِنْ أَیَّامٍ أَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ أَنْ یُتَعَبَّدَ
لَهٗ فِیْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الحِجَّةِ، یَعْدِلُ
صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِنْهَا بِصِیَامِ سَنَةٍ، وَقِیَامُ
کُلِّ لَیْلَةٍ مِنْهَا بِقِیَامِ لَیْلَةِ القَدْرِ

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی دن ایسے نہیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت ذوالحجہ کے (پہلے) دس دنوں سے زیادہ پسند ہو۔ ان میں سے ہر دن (9 دن) کا روزہ سال کے روزوں اور ان میں سے ہر رات (دس راتیں) کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔''

(رواہ الترمذی)